سلسلۂ اشاعت مسلم اکاڈمی نمبر ۱۱

سلاطین ہند کی علم پروری

(از)

محمد حفیظ اللہ

مصنف اسلامی کارنامے، اسلام اور غیر مسلم، اسلامی روایات وغیرہ

ذخیرۂ محمد اقبال مجددی لاہور

ناشر:-

مسلم اکاڈمی، پھلواری شریف، پٹنہ

قیمت مجلد [redacted]

۱۹۵۶ء

بغیر جلد [redacted]

Marfat.com

Collection of Prof. Muhammad Iqbal Mujaddidi
Preserved in Punjab University Library.

پروفیسر محمد اقبال مجددی کا مجموعہ
پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ شدہ

133490

اُٹھا کے کچھ ورق لالے نے، کچھ نرگس نے، کچھ گُل نے
چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستاں میری

(اقبالؒ)

فہرست مضامین

مضمون	صفحہ
پیش لفظ - حافظ شمس الدین صاحب	۵
مقدمہ	۷
ہندوستان میں مسلمانوں کا آنا	۹
شاہان ہند کا علمی ذوق	۱۰
شاہان ہند کی علم دوستی	۱۰
تفریق نہیں تھی	۱۱
قدیم علوم کی حفاظت	۱۲
سنسکرت اور مقامی زبانوں کی سرپرستی	۱۳
مسلم امرا کی علم دوستی	۱۳
کتابوں کے جمع کرنے کا شوق	۱۴
موسیقی	۱۵
ہندوستان کے غیر مسلم مفکرین مؤرخین اور مفکرین کے بیانات	۱۶ تا ۲۳
(پنڈت چندر سین - رتن لال - (ڈاکٹر) راجندر پرشاد - سر جادوناتھ سرکار - مسز نائیڈو - مسٹر مہتہ - ڈاکٹر تارا چند - ڈاکٹر بینی پرشاد - نریندرا ناتھ لا - مصنف کویتا کومری - راج کمار سنہا - سر پی سی رائے - لالہ لاجپت رائے - گاندھی جی - مکندی لال) -	
یورپ کے مؤرخین اور مفکرین کے بیانات	۲۴ تا ۲۹
(ڈاکٹر لیبان - پروفیسر براؤن - مسٹر ٹاڈ - سر تھامس مرو - مسٹر مارتھا - الفنسٹن اور ایڈورڈ - ٹامس کول برک - سر ولیم ہنٹر - بیکس مولر - ولیم ایڈم - بشپ وائٹ ہیڈ - ایڈورڈ وارڈ - ہملٹن سلیمن)	

مضمون	صفحہ
سندھ اور ملتان کی اسلامی حکومتیں	۳۰ تا ۳۳
داؤد بن یزید - ناصر الدین قباچہ - جام نظام الدین - حسین شاہ لنگاہ - حسین مرزا -	
خاندان غزنی	
محمود غزنوی	۳۴
شہاب الدین مسعود	۳۶
ابراہیم بن مسعود	۳۸
بہرام بن مسعود	۳۹
خاندان غوری	
شہاب الدین محمد غوری	۴۲
خاندان غلامان	
قطب الدین ایبک	۴۴
شمس الدین التمش	۴۷
رکن الدین فیروز شاہ	۵۳
رضیہ سلطانہ	۵۴
ناصر الدین محمود	۵۵

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
غیاث الدین بلبن	۵۷	شاہ عالم بہادر شاہ	۱۶
شاہزادگان محمد و بغرا خاں	۶۱	محمد فرخ سیر	۷
خاندان خلجی		ناصر الدین محمد شاہ	۷
جلال الدین فیروز شاہ	۶۳	شاہ عالم ثانی	۹
علاء الدین محمد شاہ خلجی	۶۵	ابوظفر بہادر شاہ	
خاندان تغلق		ہندوستان کی خود مختار حکومتیں	
غیاث الدین تغلق شاہ	۶۹		
محمد تغلق	۷۰	گورنران و شاہان بنگال	۲
فیروز شاہ تغلق	۷۵	شرقی سلاطین جون پور	
سید خاندان	۸۱	شاہان مالوہ	۲
خاندان لودھی		شاہان گجرات	
بہلول لودھی	۸۲	شاہان کشمیر	۹
سکندر لودھی	۸۳	شاہان خاندیس	۲
مغلیہ خاندان		شاہان دکن	
ظہیر الدین محمد بابر	۸۹	خاندان بہمنیہ	
نصیر الدین محمد ہمایوں	۹۲	شاہان احمد نگر	
سور خاندان		شاہان بیجاپور	۲
شیر شاہ	۹۵	شاہان گولکنڈہ	۹
سلیم شاہ	۹۶	سلطان ٹیپو	
مغل خاندان		شاہان اودھ	
ابوالفتح جلال الدین اکبر	۹۶	خاندان آصفیہ	
نور الدین محمد جہانگیر	۱۰۵	نظام حیدرآباد	
شہاب الدین محمد شاہجہاں	۱۰۹		
محی الدین محمد اورنگ عالمگیر	۱۱۳		

Marfat.com

پیش لفظ

(از قلم جناب حافظ شمس الدین احمد صاحب شمس منیری ایم اے۔ بی ایل۔ سابق پرنسپل پٹنہ کالج)

مجھے بڑی خوشی ہے کہ میرے دوست مولوی حفیظ اللہ صاحب پھلواروی نے جو ایک مشہور اہل قلم اور صاحب تصنیف و تالیف ہیں کتاب "سلاطین ہند کی علم پروری" لکھ کر وقت کی ایک بڑی ضرورت کو پورا کیا ہے۔ ہندوستان ساری دنیا میں ایک جاہل ملک مشہور رہا اور یہ ایک حد تک صحیح بھی ہے، مگر اسکی ذمہ داری تمام تر انگریزی سلطنت پر ہے۔ انگریزوں سے پہلے اسلامی دور حکومت میں یہ ملک جاہل نہیں تھا، بلکہ اس دور کے لحاظ سے کافی تعلیم یافتہ اور ترقی یافتہ تھا اور یہ سب اسلامی حکومت کی برکتیں تھیں۔ اس دور میں ملک کی آبادی کا ایک معقول حصہ پڑھا لکھا اور تعلیم یافتہ تھا، اور نہ صرف یہ خصوصیت مردوں ہی کے ساتھ تھی، بلکہ خواتین کی بھی خاصی تعداد تعلیم یافتہ ہوتی تھی۔ تہذیب و تمدن کا معیار بھی کافی بلند تھا، شاعری، موسیقی، مصوری کا ذوق ادنیٰ و اعلیٰ سبھی کو تھا، اس میں کسی قوم اور مذہب کی خصوصیت نہیں تھی۔ ہندو مسلمان سب ایک طرح سے علم حاصل کرتے تھے اور ایک ہی زبان، ایک ہی تمدن، ایک ہی تہذیب کے پیرو تھے۔ وہ ان دو بڑی قوموں کے میل جول سے بنی تھی اور جس میں دونوں قوموں کے دلوں کے سوتے مل گئے تھے انگریزوں نے ان دونوں قوموں کو لڑا کر حکومت کرنے کی پالیسی اختیار کی، اور اس میں اپنا فائدہ دیکھا کہ مسلمانوں کو اور ان کے علوم و فنون کو دبایا اور کچلا جائے اور ہندوؤں کو مسلمانوں کے خلاف ابھارا جائے۔ مسلمانی دور میں ملک کتنا تعلیم یافتہ تھا، ملک میں علوم و فنون کس قدر وسعت کے ساتھ رائج تھے۔ اہل علم و فن کی کیسی قدر دانی اور سرپرستی ہوتی تھی، مدارس و مکاتب کی کس قدر بہتات تھی۔ باوجود طباعت کا سلسلہ نہ ہونے کے کتب خانوں کی کتنی کثرت تھی۔ یہ ساری باتیں آپ کو اس کتاب کے اوراق میں ملیں گی، اور بڑے بڑے انگریزوں اور ہندوستانی اکابر کی شہادتیں بھی ملیں گی، جن سے یہ ثابت ہوگا کہ انگریزوں سے پہلے اور ان کی آمد کے وقت اسلامی ہندوستان کتنا تعلیم یافتہ اور ترقی یافتہ تھا۔ اور یہ بھی معلوم ہوگا کہ انگریزوں نے پہلے تو اسلامی دور کے نظام تعلیم کو درہم برہم کیا، مدارس و مکاتب کو ختم کیا، علماء و فضلاء کو ناپید کیا، اس تعلیم یافتہ اور ترقی یافتہ ملک کو جاہل اور پس ماندہ بنایا، اور پھر خود ہی اس کی جہالت اور پس ماندگی کا دنیا میں ڈھنڈورا پیٹا۔ یہ ساری باتیں خاص سیاسی مصالح

کی بنا پر کی گئیں اور اس کا فائدہ انہوں نے نہ صرف اپنی سلطنت کے زمانے میں اُٹھایا بلکہ یہاں سے نکل جانے کے بعد بھی اب تک اُٹھا رہے ہیں۔ افسوس ہے ملک کی ایک بڑی جماعت پہلے تو اس چال کو نہ سمجھی یا سمجھی تو اس میں اپنا فائدہ سمجھ کر خاموشی سے اسی راہ پر لگ گئی۔ اور اب تو ملک کی ساری فضا ایسی مسموم معلوم ہوتی ہے کہ اس میں کسی صحتمندانہ ادبی، ثقافتی یا سیاسی تحریک کا پنپنا مشکل معلوم ہوتا ہے۔ بہر حال ہمارا اور آپ کا یہ فرض ہے کہ ملک کے سامنے صحتمند ادب اور صحیح تاریخ پیش کر کے یہاں کے قومی مزاج اور ذہنی توازن کو درست رکھنے کی کوشش کرتے رہیں۔ مولوی محمد حفیظ اللہ صاحب کی یہ تصنیف اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے اور اُمید ہے کہ وہ اس مفید سلسلہ کو جاری رکھیں گے۔

زیر نظر کتاب سے آپ کو یہ معلوم ہوگا کہ نہ صرف آگرہ اور دہلی کی بڑی بڑی سلطنتیں، بلکہ مختلف مقامات کی چھوٹی چھوٹی اسلامی ریاستیں بھی علم دوستی اور علم پروری میں ممتاز تھیں اور ایک دوسرے سے سبقت لیجانے کی کوشش کرتی تھیں۔ اورنگ زیب کے بعد سے سلطنت مغلیہ میں انحطاط شروع ہو گیا تھا۔ سلطنت روز بروز کمزور ہوتی جاتی تھی۔ سلطنت کا دائرہ تنگ ہوتا جاتا تھا۔ سلطنت کی آمدنی گھٹتی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ بہادر شاہ ثانی کے وقت میں مغلیہ سلطنت صرف دار الخلافہ دہلی ہی میں محدود ہو کر رہ گئی تھی، لیکن شاہان مغلیہ کا علمی ذوق، اہل علوم و فنون کی اور مدارس و مکاتب کی سرپرستی بدستور جاری تھا۔ یہی حال چھوٹی چھوٹی ریاستوں کا بھی تھا، مثلاً دکن کی ریاست حیدرآباد اور ریاست میسور وغیرہ۔ سلطان ٹیپو خود صاحب علم اور علم دوست تھا اور اس کی سلطنت میں تعلیم و تعلم کا بہترین انتظام تھا۔ مدارس و مکاتب کثرت سے جاری تھے اور سلطان ٹیپو کی شاہانہ فیاضیوں سے مستفید ہوتے تھے۔ یہ تمام معلومات مختلف کتابوں اور رسالوں میں منتشر موتیوں کی طرح پڑی تھی اور اہل ملک کی نظروں سے عموماً پوشیدہ تھی، ان تمام جواہر پاروں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالنا اور ان تمام موتیوں کو لڑیوں میں پرو کر ہار بنانا اور اہل علم و نظر کے سامنے پیش کرنا کوئی معمولی محنت و کاوش کا کام نہیں تھا۔ مولوی حفیظ اللہ صاحب نہ صرف قابل مبارکباد ہیں، بلکہ اہل ملک کے شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے باوجود دیگر مصروفیتوں کے ان جواہر پاروں کو اکٹھا کر کے ملک کے سامنے پیش کیا ہے۔ اُمید کہ اہل ملک اسکی قدر کریں گے۔

حافظ شمس الدین احمد
(سابق پروفیسر پٹنہ کالج)

شمس منزل۔ پٹنہ
۲۵ مارچ ۵۶ء

مقدمہ

قوموں کی زندگی میں ان کی تاریخ کو گوناگوں اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ کسی قوم کی تاریخ ہی سے اس کی عظمت اور شان و شوکت کا معیار قائم ہوتا ہے۔ جس قوم کی تاریخ جتنی شاندار ہوتی ہے، وہ اتنی ہی باعظمت سمجھی جاتی ہے۔ قوموں کے دورِ زوال میں ان کے اندر نئی امنگ اور نئی زندگی پیدا کرتی ہے، اسی لئے زندہ اور بیدار مغز قومیں اپنی تاریخ کی حفاظت کو اپنا فرض سمجھتی ہیں اور ہر قیمت پر اس کی حفاظت کرتی ہیں۔

مسلمانوں کی تاریخ نہایت شاندار ہے۔ انہوں نے ہر ملک میں اپنے کارناموں کا ایک خاص ریکارڈ قائم کیا ہے۔ ہندوستانی مسلمانوں نے بھی اپنے دورِ عروج و اقبال میں ہندوستان کی شاندار خدمتیں انجام دیں۔ ان کے کارناموں پر ہندوستان کا چپہ چپہ گواہ ہے۔ مسلمانوں نے ہندوستان کو زندگی کا ایک نیا تصور دیا، نئی تہذیب دی اور نیا تمدن عطا کیا۔

علوم و معارف انسانیت کا خصوصی شرف و امتیاز ہیں۔ مسلمانوں نے علم و ادب کی اشاعت و ترقی میں بڑی فیاضی اور دریا دلی سے کام لیا، اور بلا تفریق و امتیاز ہر مذہب اور ہر زبان کے علما و ادبا کی قدر افزائی کی۔

مسلمانوں کے بعد ہندوستان میں انگریزوں کو اقتدار حاصل ہوا۔ انگریزی حکومت کا بقا و استحکام مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان نفرت و بیزاری پیدا کرکے ان کو باہم متصادم رکھنے میں تھا۔ اس لئے انگریزوں نے مسلمانوں کی تاریخ مسخ کی، ان کی شاندار خدمتوں پر پردہ ڈالا۔ اور مسلمانوں کے تاریخی دور کے ان واقعات کو تاریکی میں ڈال دیا، جو ہندو مسلم دونوں میں اتحاد و اتفاق کا باعث ہو سکتے تھے، اور ان واقعات کو پوری رنگ آمیزی کے ساتھ نمایاں کیا جو ان کے درمیان بغض و نفاق اور عداوت و دشمنی پیدا کرنے والے تھے۔ اسکولوں اور کالجوں کے لئے ایسے ہی نصاب مرتب کئے گئے، اور غلط تاریخی تعلیم سے دماغوں کو زہر آلود بنا دیا گیا۔

انگریز ہندوستان کی حکومت ہندوستانیوں کو سپرد کرکے چلے گئے، لیکن انہوں نے جو فرقہ وارانہ زہر اس ملک میں پھیلایا تھا، وہ آج بھی اپنا کام کر رہا ہے۔ ملک کا شعبۂ تعلیم انہیں لوگوں کے قبضہ و تصرف میں ہے، جو انگریزوں کے شاگرد ہیں، اور جن کے جسم انگریزوں کی غلامی سے آزاد ہو چکے ہیں، مگر ذہن اب تک انہیں کے غلام ہیں، چنانچہ اس دورِ آزادی میں بھی جو

درسی کتابیں مرتب ہو رہی ہیں۔ ان میں مسلمانوں کی تاریخ کے ساتھ اس سے بدتر سلوک ہو رہا ہے جو انگریزوں کے عہد حکومت میں ہوتا تھا۔

ایسی حالت میں مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اپنی تاریخ کی خود حفاظت کریں اور اس کو مسخ اور تباہ ہونے سے بچائیں۔

اس مقصد کے پیش نظر میں نے متعدد تاریخی کتابیں مرتب اور شائع کی ہیں۔ اس سلسلے کی ایک کڑی "سلاطین ہند کی علم پروری" ہے۔ اس کتاب کا مواد ان مقالات سے حاصل کیا گیا ہے جو رسائل و اخبارات میں نظر سے گذرتے رہے ہیں اور ذیل کی کتابوں سے خاص طور سے استفادہ کیا گیا ہے۔

تاریخ فرشتہ، تاریخ فیروزشاہی، بزم تیموریہ، بزم مملوکیہ، ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت۔ مسلمانان ہندوستان و پاکستان، آب کوثر، عہد اسلامی کا ہندوستان، مولانا عبیداللہ سندھی، یادِ ایام، پرامونشن آف لرننگ ان انڈیا، ڈیورنگ محمڈن رول (لا) ۔ ایجوکیشن ان انڈیا (باسو) وغیرہ۔

رسائل ۔ معارف، نگار، ثقافت (مرتبہ مولانا عبدالمجید سالک) وغیرہ ۔

امید ہے کہ جس مقصد کو ملحوظ رکھ کر یہ کتاب ترتیب دی گئی ہے، اس کی اہمیت کو محسوس کیا جائے گا اور کتاب کی پوری قدر کی جائے گی۔

میں اپنی محدود قابلیت کی وجہ سے اس قسم کی کتاب لکھنے کا کسی طرح اہل نہ تھا، اور پھر کم علمی کی وجہ سے اس کتاب میں کتنی کوتاہیاں رہ گئی ہوں گی۔ اس لئے اہل نظر کی خدمت میں مؤدبانہ گذارش ہے کہ میری لغزشوں سے مجھے مطلع فرمائیں، تاکہ میں دوسرے ایڈیشن میں اصلاح کرسکوں۔

خاکسار

محمد حفیظ اللہ عفی عنہ

مسلم اکاڈمی
پھلواری شریف
یکم مارچ ۱۹۵۶ء

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

شاہان اسلام نے علوم و فنون کے حاصل کرنے میں اور اُن کی نشر و اشاعت میں بڑی کوششیں کی ہیں، اور علوم و فنون کے ہر شعبہ کو ترقی دینے میں نمایاں حصہ لیا ہے، مسلمان جس ملک میں داخل ہوئے، اپنے جلو میں علم کی مشعل لیے ہوئے داخل ہوئے، اور انہوں نے اس ملک کے گوشہ گوشہ میں مسجدوں، مدرسوں اور کتب خانوں کا جال بچھا دیا۔ غرض کہ اسلامی آبادی کا کوئی حصّہ ایسا نہ تھا جو علمی و ادبی سرگرمیوں سے خالی ہو۔ گویا اسلام ایک آفتاب تھا جس نے نہ صرف اسلامی ممالک کو بلکہ غیر اسلامی ممالک کو بھی علم و حکمت کی روشنی سے منور کر دیا۔

ہندوستان میں مسلمانوں کا آنا جب ہندوستان میں مسلمانوں کا قدم آیا تو یہاں بھی انہوں نے گنگا جمنا کے پہلو بہ پہلو علوم و فنون کے دریا بہا دیئے اور ہندوستان کا کونہ کونہ علمی ترقیوں سے معمور ہو اٹھا۔ اور انہوں نے علماء اور ماہرین فن کی دل کھول کر سرپرستی کی۔

محمود غزنوی، محمد غوری اور بابر جیسے تیغ زن اور جری سپہ سالار جب ہندوستان میں آئے تو اُن کے ساتھ البیرونی جیسے محقق، حضرت داتا گنج بخش ہجویری اور حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ جیسے علماء بھی تشریف لائے۔ ان کے علاوہ محمود گاواں، بیرم خاں اور آصف جاہ جیسے مدبر

اور سیاست داں بھی اس ملک میں آئے اور عرفی اور نظیری جیسے شاعر اور فتح اللہ شیرازی اور حکیم ہمام جیسے حکیم بھی آئے۔ عہد محمود غزنوی سے لے کر اورنگ زیب عالمگیر تک بیرون ہند سے بڑے بڑے علماء، فضلاء، صلحاء، شعراء اور اہل کمال بڑی تعداد میں ہندوستان آئے اور انہوں نے اس ملک کو اپنا وطن بنا لیا۔ مسلم تاجداران ہند نے ارباب علم و فن کی بڑی قدر افزائی کی۔ وہ ان کی فیاضیاں اور داد و دہش دیکھ کر اپنا وطن بھول گئے اور یہیں کے ہو رہے۔ ارباب علم و فن جو بیرونِ ہند سے ہندوستان آئے اپنے ساتھ علوم و معارف کا خزانہ لے کر آئے۔ چنانچہ ان کے طفیل میں یہاں کا ادب، تمدن اور فکر معراجِ کمال کو پہنچا اور ہندو فلسفہ اور تمدن بھی اس زمانہ میں گوشۂ گمنامی سے نکل کر علمی دنیا میں روشناس ہوا۔ اور ذوق علم و تہذیب میں ایسا انقلاب پیدا ہو گیا کہ آج تک اس کے نشانات سرزمین ہند پر ہر جگہ بکھرے ہوئے نظر آتے ہیں۔

شاہانِ ہند کا علمی ذوق ہندوستان کے مسلم حکمراں اعلیٰ درجہ کا علمی ذوق رکھتے تھے، اور اکثر بیک وقت شمشیر و قلم دونوں کے مالک تھے۔ جنگ کے موقع پر بھی کوئی تزک لکھتا، کوئی اپنے خیمہ میں مطالعہ کرتا، کوئی اپنے رقعات کے ذریعہ خزانۂ معلومات مہیا کرتا، کوئی علمی جستجو میں رہتا اور کوئی دیوان مرتب کرتا۔

شاہانِ ہند کی علم دوستی شاہانِ ہند بالعموم علم دوست تھے۔ اس لئے وہ کسی نہ کسی صورت میں علم و فن کی

Marfat.com

سرپرستی اور اہل علم کی قدردانی ضرور کرتے تھے۔ ان فیاضیوں اور قدردانیوں کا شہرہ نہ صرف ہندوستان بلکہ بیرونِ ہندوستان میں بھی تھا، چنانچہ دنیائے اسلام کے بڑے بڑے علماء، فضلاء اور شعراء کثرت سے کھنچ کھنچ کران کے دربار میں آئے اور آسمان علم پر مہر منیر بن کر چمکے اور شاہان ہند کی فیاضیوں سے مالامال ہو گئے۔ ان علماء نواز بادشاہوں نے علوم و فنون کی بڑی خدمتیں انجام دی ہیں، اور ان کی کوششوں سے علم و فن کے بہت سے مرکز بن گئے تھے، اور ادبی ذوق و شوق پورے عروج پر پہنچ گیا تھا۔

مسلم فرمان روایانِ ہند کی جانب سے بیرونِ ہند کے ممتاز ارباب علم و فن کو برابر دعوتیں دی جاتی تھیں۔ اگر وہ کسی وجہ سے نہیں آسکتے تھے تو اپنی تصنیف کردہ کتاب یا اپنا کلام بادشاہ کے پاس بھیج دیتے تھے۔ اور وہیں بیٹھے بیٹھے صلہ پا جاتے تھے۔ علماء، فضلا اور شعراء ہندوستان آتے تو اپنے ساتھ قیمتی کتابیں بھی لاتے۔ چنانچہ بیان کیا جاتا ہے کہ محدث شمس الدین ہندوستان آئے تو اپنے ساتھ چار سو حدیث کی کتابیں لائے۔ بعض علماء اپنے ساتھ چالیس چالیس اور پچاس پچاس اونٹوں پر کتابیں لاد کر چلتے۔ لغات قاموس کے مصنف مجد الدین ہندوستان اسی طرح آئے تھے۔ ان کے ساتھ علم و فن کا بہت بڑا ذخیرہ تھا۔

تفریق نہیں تھی ہندوستان کے مسلم فرماں رواؤں نے علوم و فنون کی اشاعت و ترقی میں کسی طرح کی فرقہ وارانہ تفریق اور جانب داری روا نہیں رکھی، اور اہل کمال کی بلا امتیاز

Marfat.com

مذہب وملت سرپرستی کی۔ مسلمانوں کی آمد سے قبل اس ملک کے برہمنوں نے سنسکرت کو اپنے سوا دوسروں کے لئے ممنوع قرار دے رکھا تھا، مسلمان بادشاہوں نے ہندوستان آکر سنسکرت اور تمام زبانوں کی تعلیم عام کردی، اور علم کا دروازہ ہر قوم کے لئے بلا امتیاز مذہب وملت کھول دیا۔ ہندوستان کے طول و عرض میں ابتدائی اور اعلیٰ تعلیم کے لئے بے شمار درسگاہیں قائم کیں۔ اس زمانہ میں علم کو فروغ دینے میں جس سعی و توجہ سے کام لیا گیا، اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ فارسی جو ایک غیر ملکی زبان تھی، اُس کے ماہرین ہندو فضلا، ادباء و شعراء کثرت سے پیدا ہو گئے، اور شاہانِ اسلام نے غیر مسلم اہل کمال اور شعراء پر دل کھول کر انعامات کی بارش کی۔

قدیم علوم کی حفاظت

مسلم شاہانِ ہند نے ہندوستان میں ایک طرف عالی شان عمارتیں بنوائیں اور دوسری طرف علوم و فنون کی زبردست خدمت کی اور یہاں کی قدیم اور مُردہ علوم و فنون کی نہ صرف پوری طرح حفاظت کی، بلکہ انہیں دوبارہ زندہ کیا اور علمی مرکزوں میں پہنچا کر ترقی دی۔ مسلمانوں کا یہ احسان ناقابل فراموش ہے کہ انہوں نے اپنی وسیع النظری سے وید، رامائن اور دوسری مذہبی کتابوں کی فراہمی اور حفاظت میں بڑی کوششیں کیں اور ان پر بڑی بڑی رقمیں خرچ کیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے ہندوؤں کی بے شمار مذہبی اور علمی کتابوں کا ترجمہ عربی اور فارسی میں کرایا اور اس طرح ہندو علوم کو ساری دنیا سے روشناس کردیا۔

سنسکرت اور مقامی زبانوں کی سرپرستی

مسلم شاہانِ ہند نے سنسکرت، ہندی، بنگلہ اور دوسری مقامی زبانوں کو بھی ترقی دی، اور اُن کی شاہانہ طور پر سرپرستی کی۔ چنانچہ ان کے دورِ حکومت میں مقامی زبانوں کو خاصہ فروغ حاصل ہوا۔ تاریخ کے جاننے والوں کو شاید اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ سنسکرت زبان اور ادب سے جس طرح چندرگپت کے عہد میں دلچسپی لی جاتی تھی، مسلم شاہانِ ہند کے عہدِ حکومت میں کسی طرح بھی اس سے کم دلچسپی نہیں لی گئی۔ اسی طرح مسلمانوں نے ہندی ادب کی جو خدمت کی ہے، اسے کسی طرح بھی بھلایا نہیں جا سکتا۔ حضرت امیر خسرو، عبدالرحیم خانِ خاناں، ملّا داؤد، ملک جائسی وغیرہ نے ہندی ادب میں جو نمایاں حیثیت حاصل کی وہ اہلِ علم سے پوشیدہ نہیں۔ مسعود، قطب علی، اکرام، فیضی، کبیر اور ان کے لڑکے ملّا کمال نے ہندی زبان کی بڑی خدمتیں انجام دی ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ ہندی زبان کا عروج اور کمال ترقی مسلمانوں ہی کے عہد میں ہوئی۔ اس زبان کی ایسی ترقی مسلمان بادشاہوں کے عہد سے قبل کبھی نہیں ہوئی تھی۔ مسلم فرماں رواؤں، امراء، عمائدین اور اربابِ علم و فضل کی سرپرستی اور توجہ و دلچسپی اور وسعتِ نظری ہی کا یہ اثر تھا کہ ہندی زبان ایک مستقل زبان ہو گئی اور اس میں بے حد مٹھاس پیدا ہو گئی۔

مسلم امراء کی علم دوستی

نہ صرف مسلم حکمراں بلکہ ان کے وزراء، عہدے دار، صوبے دار اور اُمراء بھی علوم و فنون کی جی کھول کر سرپرستی کرتے تھے، اس کے لئے جاگیریں دیتے تھے اور بہا بڑا دیں

وقف کرتے تھے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عوام میں تعلیم پھیل گئی، اور نہ صرف مسلمان بلکہ ملک کے تمام باشندوں میں علمی ذوق پیدا ہو گیا۔ ہر پڑھا لکھا مسلمان گھرانہ دینی تعلیم کا مدرسہ تھا۔ ہندوستان میں مساجد اور خانقاہوں کا جال بچھا ہوا تھا۔ جہاں مذہبی تعلیم مفت دی جاتی تھی۔ غرض تمام ملک میں خود رعایا کی طرف سے ایک نظام تعلیم قائم تھا۔ حکومت کو نہ جبر کی ضرورت تھی اور نہ ایسے قانون کی ضرورت تھی جو تعلیم کو لازم اور ضروری قرار دے۔ علوم کی اشاعت کے لئے لاکھوں لاکھ روپے کے اوقاف تھے، جو اب بھی جا بجا باقی ہیں، اور ہندوستانی مسلمانوں کے علمی ذوق کا پتہ دے رہے ہیں۔ اس دور میں مردوں کے علاوہ عورتوں میں بھی کافی تعلیم پھیل گئی تھی اور ان میں بہت سی ادیب اور شاعرہ گذری ہیں۔

دہلی کی مرکزی حکومت ٹوٹ جانے پر بھی صرف اضلاع روہیلکھنڈ میں جو دہلی سے قریب تر تھے، پانچ ہزار علماء اور فضلاء مساجد اور سرکاری مدارس میں درس و تدریس میں مشغول تھے۔ اور حافظ الملک کی ریاست سے ہر ایک عالم و فاضل کی اس کے علم و فضل کے موافق تنخواہ مقرر تھی۔ تمام مدرسوں میں کتب درسیہ بڑے بڑے علما کے مشورہ سے حافظ الملک خود مقرر فرماتے تھے اور طالب علموں کو مقررشدہ کتابیں حکومت کی طرف سے مفت مہیّا کی جاتی تھیں۔ یہی حال اودھ، حیدرآباد دکن اور دوسری ریاستوں کی تھی۔

کتابوں کے جمع کرنے کا شوق — مسلم شاہان ہند کو کتابوں کے جمع

Marfat.com

کرنے کا بھی بہت شوق تھا۔ چنانچہ شاہی کتب خانہ میں کثیر تعداد میں کتابیں جمع کی گئی تھیں، اور ان کی فراہمی پر بے دریغ روپے صرف کئے جاتے تھے۔ اسی طرح امرا، علما، شہزادے اور شہزادیوں کو بھی کتابوں کے جمع کرنے کا بے حد شوق تھا۔ ان کے کتب خانوں میں بھی مختلف علوم و فنون کی کتابوں کے نادر نسخے جمع تھے۔ افسوس کہ بڑی تعداد میں یہ کتابیں یا تو ضائع ہوگئیں یا ہزاروں بیش بہا کتابیں یورپ کے کتب خانوں میں منتقل کردی گئیں، اور آج وہاں کے کتب خانوں کی زینت بنی ہوئی ہیں۔

غرض کہ شاہان ہند، شہزادوں، شہزادیوں، امرا اور علما نے جس وسعت قلب اور دریا دلی سے ملک میں علوم و فنون کی خدمت کی ہے، اس کی مثال تاریخ ہند میں مفقود ہے۔

موسیقی — بنگالی اہل قلم رانج کمار سنہا کے الفاظ میں مسلمان بادشاہوں نے صرف ہندوستان کی زبان اور لٹریچر کے معاملہ میں شاندار خدمات انجام دی ہیں، بلکہ ہر قسم کے علوم و فنون سے بھی اس ملک کے باشندوں کو آشنا کیا ہے۔ موسیقی اس ملک کے قدیم باشندوں کا ایک امتیازی فن ہے، لیکن مسلمانوں نے اس فن کو بھی خوب ترقی دی۔ یہ فن اکبر اعظم کے عہد میں جس کا نام نامی ہندوستانی آرٹ کی سرپرستی کے لئے تا قیامت روز روشن کی طرح چمکتا رہے گا، اپنے انتہائی کمال کو پہنچا۔

Marfat.com

ہندوستان کے غیر مسلم معتمد مورخین اور مفکرین کے بیانات

پنڈت چندر سین عہد ناصر الدین محمود کا مشہور مؤرخ پنڈت چندر سین (المتوفی سنہ ۱۲۶۶ء) اپنی مشہور تصنیف "منتخب التواریخ" میں لکھتا ہے:-

"مسلمان بادشاہوں کی حکومت سے پہلے ہندوؤں میں ذات پات کا بڑا خیال تھا۔ انہوں نے برہمن۔ چھتری۔ ویش۔ شودر وغیرہ کی خاص خاص جماعتیں مقرر کر رکھی تھیں۔ اگر کوئی شودر قومی خدمت یا ملکی ترقی کی راہ میں اپنے آپ کو پیش کرتا تھا تو اس کو مطلق اجازت نہ تھی۔ مسلمان بادشاہوں نے اس قسم کی ذاتی تفریق کی بنیادیں ہلا دیں۔ جو شودر علوم و فنون حاصل کرنے سے محروم کر دیئے گئے تھے، اب وہ آزادی کے ساتھ تعلیم حاصل کر کے زیور علم سے آراستہ ہو گئے۔ چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ سلاطین اسلام کے عام درباروں میں اور ان کے انتظامی محکموں میں ایک شودر کو بھی وہ اعزاز حاصل تھا، جو اعلیٰ ذات کے ہندو کو حاصل تھا۔"

منتخب التواریخ جلد اول صفحہ ۲۵۸

Marfat.com

رتن لال شہنشاہ جہانگیر کا درباری مؤرخ رتن لال (المتوفی ۱۶۲۷ء) اپنی مشہور تصنیف "تاریخ ہند" میں لکھتا ہے:۔

"مغل بادشاہوں نے ہندوستانیوں کی تعلیم و تربیت میں جیسی دردمندانہ کوشش کی ہے، اس کی نظیر تلاش سے بھی دستیاب نہیں ہو سکتی۔ مغل عہد حکومت کے تمام مدارس جس طرح مسلمانوں کے لئے وقف تھے اسی طرح ہندوؤں کے لئے بھی وقف تھے۔ مسلمانوں کی علم نوازی نے ہندوؤں کے بے جان قالب میں ایک نئی زندگی پیدا کر دی تھی۔ پنڈت بھگوان داس۔ شری پت منوہر لال۔ پنڈت کشن چند اور پنڈت ڈونگرمل گلشن علم کے وہ پھول تھے جنہوں نے مغل بادشاہوں کے دامن میں تربیت اور نشو و نما حاصل کی تھی"۔

(تاریخ ہند ص۱۲۸)

ڈاکٹر راجندر پرشاد عالی جناب (ڈاکٹر) راجندر پرشاد (صدر جمہوریہ ہند) نے ایک کتاب انگریزی میں "تقسیم ہند" لکھی ہے۔ اس کے ابتدائی حصہ میں ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کی مذہبی اور علمی رواداری پر بھی تبصرہ کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:۔

"بہت سے مسلمان حکمراں علوم و فنون کے سرپرست رہے ہیں، جنہوں نے نہ صرف فارسی اور عربی زبان کو فروغ دیا، بلکہ سنسکرت زبان اور ہندوستان کے لٹریچر اور سائنس کی بھی سرپرستی کی۔ انہوں نے ہندوستان میں علوم و فنون کو

Marfat.com

جو ترقی دی ان کو یہاں مختصراً بھی لکھنا ممکن نہیں۔ شاہانہ سرپرستی میں سنسکرت کی متعدد کتابیں فارسی و عربی زبانوں میں ترجمہ کی گئیں۔ بہت سے مسلمان حکمرانوں نے خود سنسکرت کی کتابوں کا بھی اس غرض سے ترجمہ کیا کہ ہندوؤں کے علوم کے خزانے مسلمانوں تک پہنچ جائیں۔ انہوں نے دوسروں کو اس زبان کی تحصیل کی ترغیب دی۔ ہندو طلبا کے تعلیمی نصاب میں سنسکرت زبان بھی ہوتی تھی۔ غرض سنسکرت زبان کی سرپرستی ہر ممکن طریق سے کی گئی۔"

دوسری جگہ فرماتے ہیں:-

"ہندی کی طرف سے لڑنے والے کو یہ بات یاد رکھنی چاہیئے اور کسی وقت بھی مسلمانوں کے اس احسان سے چشم پوشی نہ کرنی چاہیئے، جو ہندی زبان اور ہندی ادب کو ترقی دینے کی صورت میں انہوں نے امیر خسرو کے وقت سے لے کر آج تک کیا ہے۔"

سر جدو ناتھ سرکار — ہندوستان کے مشہور مؤرخ سر جدو ناتھ سرکار اپنے ایک مضمون "اسلام ان انڈیا" میں لکھتے ہیں:-

"مسلمانوں ہی کے اثر سے کتابیں عام طور سے نقل کی جاتیں اور علوم و فنون کو پھیلایا جاتا۔ ورنہ اس سے پہلے ہندو اپنی کتابوں اور علوم و فنون کو راز میں رکھنا پسند کرتے تھے۔"

مسز نائیڈو — ہندوستان کی مشہور ذی علم خاتون مسز نائیڈو تحریر

Marfat.com

فرماتی ہیں :-

" آؤ ہم تاریخی شکوہ و شکایت کو دلوں سے یک قلم محو کر دیں اور ان احسانات کو یاد کریں، جو اسلام نے ہماری زبان اور لٹریچر کے ساتھ کیا ہے "

مسٹر ان۔ سی۔ مہتہ۔ آئی۔ سی۔ ایس صوبہ متحدہ لکھتے ہیں :-

مسٹر مہتہ " اسلام کے آتے ہی قدیم ادبیات کا زوال شروع ہو گیا اور صوبہ جاتی زبانیں صفِ اوّل میں آگئیں۔ مسلم بادشاہ اکثر علم نواز تھے ..... سنسکرت کے چند مقبول شاہکار بالخصوص قصص عربوں ہی کی وساطت سے بیرونی دنیا تک پہنچے..... سیاسی اقتدار کے دوش بدوش عربوں کی زبان بھی کسب علوم کا بین الاقوامی ذریعہ بن گئی ...... ہندوستان کے پاس سرمایہ (علم) تھا، وہ عربی مصنّفین کی کاوش سے مہذب دنیا کو دستیاب ہوا۔ ہندی ادبیات اور علوم میں انہوں نے جو اضافہ کیا، وہ ایک جداگانہ چیز ہے ..... مسلمان بادشاہوں کے فیض ہی سے رامائن۔ مہابھارت اور پران عوام تک پہنچے امیر خسرو کو جدید ہندی کا بانی سمجھا جاتا ہے .... عبدالرحیم خانخاناں ہندی کے چند مشاہیر اعظم میں سے ہیں۔ .... مسلمانوں کی علمی ذہنیت نے ادبیات میں تاریخ اور سیرت نگاری کا اضافہ کیا ...... جو مسلمانوں

کی آمد سے پہلے تقریباً مفقود تھی۔"[1]

ڈاکٹر تاراچند

ڈاکٹر تاراچند صاحب اپنی کتاب "انفلوئنس آف اسلام آن انڈین کلچر" میں تحریر فرماتے ہیں:-

"مسلمانوں کی خدمات صرف ہندی یا اردو ہی کو ترقی دینے تک محدود نہیں رہی ہیں، دوسری صوبہ جاتی زبانوں کی بھی بہت کچھ مدد کی گئی ہے، اور وہ بھی اپنی ترقیات کے لئے ایک بڑی حد تک مسلمانوں کی مرہونِ منت ہیں۔ شمال میں ہندی، مغرب میں مرہٹی اور پورب میں بنگالی زبانیں محض بول چال کی زبانوں سے ترقی کر کے ادبی زبانیں بن گئیں اور اس ترقی میں مسلمانوں کا کافی حصہ ہے۔"

ڈاکٹر بنی پرشاد

ڈاکٹر بینی پرشاد ایم اے۔ پی ایچ۔ ڈی۔ اپنی کتاب "ہسٹری آف جہانگیر" میں لکھتے ہیں:-

"اس زمانہ میں علوم وفنون کو جو ترقی ہوئی، اس سے مغلوں کی حکومت کی سب سے بڑی خوبی ظاہر ہوتی ہے۔"

"فارسی مورخوں نے ایسے اہلِ علم کی طویل فہرست دی ہے، جو مغل حکمرانوں کی سرپرستی سے افلاس وغربت سے نکل کر دولت وحشمت کی زندگی بسر کرنے لگے تھے۔ اس عہد

---

[1] CONTRIBUTION OF ISLAM TO INDIAN CULTURE.

Marfat.com

کے فارسی اور ہندی شعراء کے تذکروں کے مطالعہ سے
حیرت ہوتی ہے کہ شعراء کی کتنی بڑی تعداد دربار کی فیاضیوں
سے مستفید ہوتی تھی۔ اس زمانہ میں دنیا کی کسی حکومت
میں باضابطہ کوئی تعلیمی محکمہ نہ تھا۔ لیکن مغلوں نے اس
کمی کو اہل علم کی غیر معمولی سرپرستی کے ذریعہ پورا کیا۔"

نرندرا ناتھ لاہا

بنگلہ زبان کی ترقی کے متعلق نرندرا ناتھ لاہا ایم۔ اے
پی۔ ایچ۔ ڈی اپنی کتاب "ہندوستان کی علمی ترقی بہ عہد شاہان
اسلام" لکھتے ہیں:۔

"اہل بنگال کو یہ بات عجیب معلوم ہو گی کہ ان کی زبان
کی ادبی اور علمی ترقی ان کی کوشش سے نہیں ہوئی بلکہ
یہ درجہ اسے مسلمانوں کی بدولت نصیب ہوا۔"

مصنّف کونیا کومری

"کونیا کومری" کے مصنف نے اپنے دیباچہ میں
لکھا ہے:۔

"ہندی کے جتنے بڑے بڑے شاعر ہوئے ہیں، سب اسی
زمانے میں گذرے ہیں، جب مسلمانوں کا آفتاب حکومت
نصف النہار پر تھا۔ ہندی اس زمانے میں ایسی پھولی اور
پھلی کہ ہم آج تک اس کی خوشبو اور ذائقہ سے لطف
اندوز ہو رہے ہیں۔"

راج کمار سنہا

بنگال کا ایک اہل قلم راج کمار سنہا اخبار ہندوستان اسٹنڈرڈ
کے ایک سنڈے اڈیشن میں لکھتا ہے:۔

Marfat.com

"شاید بہت تھوڑے لوگ اس حقیقت سے آگاہ ہونگے کہ ہندوؤں کا کلاسیکل (CLASSICAL) ادب یورپ کی سوسائیٹیوں میں فارسی زبان میں پہنچا، اور مسلم فرمانرواؤں نے اپنی سرپرستی اور نگرانی میں ہندو شاستروں کا ترجمہ کرایا (اور بعضوں نے خود بھی کیا) اور انہیں یورپ تک پہنچایا۔"

سر پی۔سی۔رائے

ڈاکٹر سی۔ پی۔ رائے نے ۱۷ر فروری ۱۹۳۳ء کو علیگڈھ میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا۔

"یہ صحیح نہیں کہ مسلمان ہندوستان میں آکر صرف بس گئے اور کچھ نہیں کیا، بلکہ انہوں نے یہاں کے فن تعمیر، موسیقی، ادب اور سیاست میں بیش بہا اضافہ کیا۔ ہندوستان کی تربیت و تہذیب میں مسلمانوں کی ذہانت و ذکاوت نے بہت کچھ حصہ لیا ہے، وہ لباس زرّیں جو مسلمانوں نے ہندوستان کی دیوی کو پہنایا، اگر اُتار لیا جائے تو وہ کیسی بدنما نظر آنے لگے گی۔ اس کا اندازہ آپ خود کرسکتے ہیں۔"

راجپت رائے

لالہ راجپت رائے نے اپنی کتاب "ان ہیپی انڈیا" (UNHAPPY INDIA) میں سررشتہ تعلیم کے افسران کے حوالہ سے ثابت کیا ہے کہ "زمانہ سابق میں ہندوستان میں خواندوں کی تعداد موجودہ زمانہ سے

133490 1.122

Marfat.com

زیادہ تھی ''

مہاتما گاندھی جی اپنی تحریر میں فرماتے ہیں :-

گاندھی جی " اگلے زمانے میں مسلمان ہندی سیکھتے تھے، اور اُسے ایک ادبی زبان کی حیثیت دینے میں انہوں نے اپنے ہندو بھائیوں سے زیادہ نہیں تو اتنی ہی کوشش کی ہے '' (ہریجن سیوک - ۲۳ رجون ۱۹۳۶ء)

مکندی لال مسٹر مکندی لال، بار ایٹ لا، نے ایک بار رسالہ سرسوتی میں ایک مضمون لکھا تھا۔ وہ لکھتے ہیں :-

" ہندوستانی لٹریچر کی ترقی بھی مسلمانوں کے عہد میں خوب ہوئی - البیرونی نے جو احسان دنیا اور ہندوستانی لٹریچر پر کیا ہے، وہ کسی سے مخفی نہیں۔ مسلم دور حکومت میں سنسکرت زبان میں قومی اور مذہبی لٹریچر کی بہت ترقی ہوئی - ہندی زبان کی تعلیم و ترقی بھی اسلامی عہد حکومت ہی میں ہوئی - ...... بنگلہ زبان کو بھی اسلامی دور حکومت میں خوب ترقی ہوئی -

اسی طرح مرہٹی زبان کی بھی اسلامی دور حکومت میں خوب ترقی ہوئی -

Marfat.com

یورپ کے مؤرخین اور مفکرین کے بیانات

ڈاکٹر لیبان فرانس کا مشہور مؤرخ ڈاکٹر گستاؤلیبان اپنی مشہور تصنیف "تمدن ہند" میں رقمطراز ہے :-

"عربی تمدن کے ساتھ ہی ساتھ ہندوستان کے مسلمان بادشاہ اس ملک میں علوم وفنون اور ادب کا مذاق بھی اپنے ساتھ لائے .... ان بادشاہوں کی سوانح عمری سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ علوم وادب کے اعلیٰ درجہ کے سرپرست تھے اور علماء وفضلاء نہ صرف بڑے شہروں اور دارالحکومتوں میں جمع تھے، بلکہ تمام ملک میں اور چھوٹی حکومتوں میں پھیلے ہوئے تھے۔"

"سلاطین اسلام کی طرح مغل بادشاہوں کو بھی ادب وعلوم وفنون کا بے انتہا شوق تھا۔ صناع، علماء، شعراء کسی طبقے کے کیوں نہ ہوں، دربار میں باریاب ہو جاتے تھے۔"

"سلاطین مغلیہ نہ صرف علوم وادب کے سرپرست ہی تھے، بلکہ ان میں کئی سلاطین کو علوم وفنون میں فضل بھی تھا۔ زیادہ تر رجحان شاعری کی طرف تھا۔ اور بعض نے عمدہ عمدہ کتابیں بھی لکھیں۔"

پروفیسر براؤن — پروفیسر ایڈورڈ۔جی براؤن اپنی کتاب "تاریخ

Marfat.com

ادبیات انڈین" میں لکھتا ہے :۔

"سولھویں اور سترھویں صدی عیسوی کے بڑے حصے میں اہل کمال شعرا ایران کی ایک کثیر تعداد ہندوستان آتی رہی اور جس قدر و منزلت سے وہ اپنے وطن میں محروم کر دیئے گئے تھے، وہ یہاں آ کر انہیں نصیب ہوئی۔ ان لوگوں کے ہندوستان آنے کی بڑی وجہ یہ تھی کہ ہمایوں، اکبر اور خشک اور پابند شرع اورنگ زیب کے زمانے تک ان کے جانشین، نیز ان کے امرا، جیسے بیرم خاں خانخاناں اور اس کا بیٹا عبدالرحیم خانِ خاناں ...... یہ سب کے سب علم و ادب کی قدر افزائی بہت دریا دلی کے ساتھ کرتے رہے۔"

مسٹر لڈلو (LUDLOW) اپنی کتاب "تاریخ برطانوی ہند" میں لکھتا ہے کہ :۔

"عام طور پر بچے لکھ پڑھ سکتے تھے، اور حساب میں ان کو خاص مہارت ہوتی تھی، لیکن ہم نے بنگال کی طرح جہاں جہاں دیسی سسٹم فنا کر دیا، اس جگہ دیسی مدرسے بھی فنا ہو گئے۔

سر تھامس منرو (SIR THOMAS MUNRO) کا بیان ہے :۔

"ہر گاؤں میں ایسے مدارس تھے، جن میں نوشت و خواند اور حساب کی تعلیم ہوتی تھی۔" (تعلیمی ہند صفحہ ۲۰)

مسٹر مارتھا۔ "ہر بستی میں ایسے مدارس ہوتے تھے، جن کے لئے

زمینیں وقف ہوتی تھیں۔" (دی بلز گورنمنٹ ان برٹش انڈیا)

۱۸۲۳ء میں آنریبل ایم الفنسٹن اور آنریبل ایف وارڈن نے جو یادداشت برٹش گورنمنٹ میں پیش کی تھی اس میں وہ لکھتے ہیں:-

"انصاف یہ ہے کہ ہم نے دیسیوں کی ذہانت کے چشمے خشک کر دیئے۔ ہماری فتوحات کی نوعیت ایسی ہے کہ اس نے نہ صرف علمی ترقی کے تمام ذرائع مٹا دیئے، بلکہ قوم کے اصلی علوم بھی گم ہو جانے اور پہلے لوگوں کی ذہانت کی پیداوار فراموش ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ اس الزام کو دور کرنے کے لئے کچھ کرنا چاہیئے" لہ

اس سلسلہ میں مسٹر نالس کول برک کی وہ یادداشت بھی قابل ذکر ہے جس میں وہ اسلامی حکومت کے زوال کی وجہ سے ہندوستانی نظام تعلیم کو جو نقصان عظیم پہنچا ہے، اس کی طرف برطانوی حکومت کو توجہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:-

---

لہ WE HAVE DRIED UP THE FOUNTAINS OF NATIVE TALENT. THE ACTUAL LEARNING OF THE NATIVE IS LIKELY TO BE LOST AND THE PRODUCTION OF FORMER GENIUS TO BE FORGOTTEN . SOMETHING SHOULD SURELY BY DONE TO REMOVE THIS APPROACH. MINUTE MARCH 1824 (MUIR 298)

Marfat.com

"اس میں کچھ شک نہیں کہ ہندوستان کے علم و ادب کو روز بروز تنزل ہوتا جاتا ہے۔ نہ صرف علما کی تعداد کم ہوتی جاتی ہے، بلکہ وہ جماعت بھی جس میں جوہر قابل پیدا ہوتا تھا، محدود ہوتی جاتی ہے، علوم نظری کا مطالعہ لوگ چھوڑتے جاتے ہیں...... اگر گورنمنٹ نے سرپرستی ترک کی تو اندیشہ ہے کہ صرف کتابیں ہی نہ مفقود ہو جائیں گی، بلکہ ان کے پڑھنے والے بھی مفقود ہو جائیں گے۔"

آخر میں برک لکھتا ہے:۔

"ان مقامات میں جہاں علم کا چرچا تھا، اور جہاں دور دور سے طالب علم پڑھنے آتے تھے، آج وہ علم کا بازار ٹھنڈا پڑا ہے۔" (رسالہ اردو سہ ماہی اپریل ۱۹۲۲ء)

سر ولیم ہنٹر (SIR WILLIAM HUNTER) اپنی کتاب "ہمارے ہندوستانی مسلمان" میں رقمطراز ہے:۔

"قبل اس کے کہ ملک ہمارے ہاتھوں میں آیا، مسلمان نہ صرف سیاسی اعتبار سے بلکہ ذہن اور فراست کے اعتبار سے ہندوستان میں بڑی قوت رکھتے تھے۔ ان کا نظام تعلیم بقول مسٹر ای۔ سی۔ بیلی۔ سی۔ آئی۔ ای۔ کے اگرچہ ہمارے نظام سے فروتر تھا۔ تاہم قابل تحقیر نہ تھا۔ اس سے اعلیٰ درجہ کی ذہنی تربیت دی جاسکتی تھی۔ اگرچہ وہ نظام پرانی شکل میں پیش کیا جاتا تھا۔ تاہم وہ ایسے اصول

Marfat.com

پر مبنی تھا۔ جو سرتاپا غلط تھے۔ مسلمانوں کا نظام تعلیم ہندوستان کے تمام دیگر نظاموں سے بدرجہا فائق تھا۔"

بنگال میں تعلیمی حالت کے سلسلہ میں سر ولیم کا بیان ہے:۔

"انگریزوں نے بنگال کے تمام معافیات اور اوقات تعلیم پر قبضہ کرلیا اور اسی طرح سیکڑوں پرانے خاندان تباہ ہوگئے، اور مسلمانوں کا تعلیمی نظام جس کا دارومدار ان ہی معافیات پر تھا، بالکل تباہ و برباد ہوگیا۔ مسلمانوں کے تعلیمی ادارے اٹھارہ سال کی مسلسل لوٹ کھسوٹ کے بعد یک قلم مٹ گئے۔...... مسلمانوں کے اس الزام کا جواب نہیں دیا جاسکتا کہ ہم نے ان کے تعلیمی اوقاف کا ناجائز استعمال کیا۔ اس حقیقت کو چھپانے سے کیا فائدہ کہ مسلمانوں کے نزدیک اگر ہم اس جائداد کو جو اس مصرف کے لیے ہمارے قبضہ میں دی گئی تھی، ٹھیک ٹھیک استعمال کرتے تو بنگال میں ان کے پاس آج بھی نہایت اعلیٰ اور شاندار تعلیمی ادارے موجود رہتے۔"

میکس میولر (MAX MULER) کا بیان ہے کہ:۔

برطانوی حکومت سے قبل صرف ایک صوبہ بنگال میں اسی ہزار دیسی مدارس تھے۔

مسٹر ولیم ایڈم (WILLIAM ADAM) اپنی رپورٹ میں لکھتا ہے:۔

"مدارس کی تعداد ایک لاکھ تھی۔"

Marfat.com

بیشپ وائٹ ہیڈ (BISHOP WHITE HEAD) مدراس کا پادری لکھتا ہے:۔

بنگال کا تعلیمی معیار اسکاٹ لینڈ کے گاؤں کے معیار سے بہتر تھا۔

ریورنڈ وارڈ (REV. W. WARD) سنہ ۱۸۲۱ء میں بیان کرتا ہے:۔

"ضلع ندیا مدارس سے بھرا ہوا ہے۔ وہاں ہر ۳۱ لڑکوں پر ایک مدرسہ ہے۔"

ہملٹن ۔ اورنگ زیب کے دورِ حکومت میں ہندوستان کی تعلیمی حالت کے متعلق کپتان الگزنڈر ہملٹن اپنے سفرنامہ میں لکھتا ہے:۔

"شہر ٹھٹہ (سندھ) علومِ فقہ، فلسفہ و سیاست کے لئے مشہور ہے۔ ان علوم میں لڑکوں کو تعلیم دینے کے لئے تقریباً چار سو کالج یہاں ہیں۔"

سلیمن ۔ جنرل سلیمن لکھتا ہے:۔

"دنیا میں ایسی قومیں بہت کم ہوں گی، جن میں تعلیم اس قدر عام ہے، جس قدر ہندوستان کے مسلمانوں میں ہے۔"

Marfat.com

سندھ اور ملتان کی اسلامی حکومتیں

مسلمانوں نے اوّل اوّل ۹۳ھ (۷۱۲ء) میں سندھ اور ملتان پر قبضہ کرلیا۔ شروع شروع میں مسلمانوں کے لئے یہ ملک اجنبی تھے اور انہیں کافی اطمینان بھی حاصل نہ ہوا تھا، پھر بھی انہوں نے ترویج تعلیم کا امکانی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیا۔

سندھ پر تقریباً سات سو برس تک عربی اثرات قائم رہے۔ مسلمانوں نے سندھی زبان سیکھی اور سندھیوں نے عربی اور مسلمانوں کا اس قدر اثر پڑا کہ سندھی زبان میں عربی الفاظ کثرت سے داخل ہوگئے اور عربی خط میں لکھی جانے لگی۔

سندھ کا ایک گورنر داؤد بن یزید بڑا علم دوست تھا۔ اس کی اکیس سالہ گورنری کے زمانہ میں (۱۸۴/۸۰۱ - ۲۰۵ھ/۸۲۲ء) سندھ علوم و فنون کا بڑا مرکز بن گیا تھا اور اسلامی علوم و فنون کی بہت کچھ ترقی ہوئی۔

مشہور سیاح ابن حوقل کا بیان ہے کہ اس نے سندھ کے عربی مدارس کا زیادہ توجہ سے معائنہ کیا، وہ بتاتا ہے کہ ان میں عراق اور شام کے سند یافتہ علماء، حدیث و فقہ کے ساتھ ساتھ منطق و فلسفہ کی اعلیٰ تعلیم دیتے تھے۔ چوتھی صدی ہجری کے اواخر میں مقدسی سندھ آیا اور اپنے جغرافیے میں یہاں کے چند مشہور محدثین اور مصنفین کا تذکرہ کرتا ہے۔ ان فاضل

Marfat.com

سیاحوں کی کتابیں پڑھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ دو صدی عربی حکومت نے ملک سندھ کی حالت بدل دی تھی (مسلمانان پاکستان و بھارت)۔

سندھ میں اگرچہ عرب اپنی غیر مستقل پالیسی کی بنا پر کوئی مستحکم حکومت قائم نہ کر سکے، مگر تہذیب و تمدن کے کچھ نقوش ضرور چھوڑ گئے۔ چنانچہ جب محمود غزنوی نے ہندوستان فتح کیا تو ان نقوش میں مزید رنگ آمیزی کر کے ایک نئی جھلک پیدا کردی (العلم جنوری ۱۹۷۴ء)

سندھ اور ملتان کی ان حکومتوں کی دور میں ممتاز اہل علم پیدا ہوئے، جنہوں نے مختلف علوم حدیث، تفسیر، فقہ، نحو، ادب اور شعر و شاعری میں کمال حاصل کیا اور ہندوستان کے اس بالائی حصہ میں علم کی روشنی پھیلائی۔ یہ دور عالم اسلام میں علم حدیث کی اشاعت و فروغ کا تھا۔ اس لئے ہندوستان میں ممتاز محدثین پیدا ہوئے اور اپنے علم کے سرچشموں سے ہندوستان کو سیراب کیا، اور ہندوستان کے مختلف علمی مرکزوں کی روایتیں ہندوستان میں لائے اور ہندوستان سے روایتوں کو عالم اسلام میں لے گئے۔

(عہد اسلامی کا ہندوستان)

سنہ ۴۱۹ھ (۱۰۲۵ء) میں سندھ اور ملتان کی حکومتیں غزنوی سلطنت کا حصہ بن گئی تھیں۔

ناصر الدین قباچہ (۶۰۷ - ۶۲۵ھ) کے عہد میں ملتان ایک بڑا مذہبی، علمی، ثقافتی مرکز بن چکا تھا۔ سہروردیہ اور چشتیہ سلسلہ

کے صوفیہ و مشائخ یہاں شریعت و طریقت کی شمع روشن کیے ہوئے تھے۔ مقامی علمار کے علاوہ باہر سے آئے ہوئے علمار و ادبار بھی یہاں علم و ادب کی مجلسیں گرمائے ہوئے تھے۔ چنانچہ اس عہد کے ملتان کا ذکر کرتے ہوئے سیر الاولیار کے مصنف نے لکھا ہے، کہ اس زمانہ میں ملتان عالم میں قبۃ الاسلام کی حیثیت رکھتا تھا جہاں علمار کے گروہ موجود تھے۔

اچہ، ملتان اور ٹھٹھ اس وقت صوفیہ و مشائخ اور علمار و فضلا کے بہت بڑے مرکز تھے۔ یہ شیوخ و اکابر خانقاہوں، مسجدوں اور نجی مدرسوں میں تعلیم دے کر اپنے فرائض انجام دے رہے تھے۔ ان نجی مدارس کے علاوہ حکومت کی سرپرستی میں بھی دو مدرسوں کا تذکرہ آتا ہے، جب مولانا قطب الدین کاشانی ماورالنہر سے ہجرت کر کے ملتان آئے تو قباچہ نے ان کے لئے ایک مدرسہ قائم کیا جس میں وہ خود درس دیتے تھے۔ [1]

جام نظام الدین، فرماں روا سندھ (۸۶۶-۹۲۳ھ) کے زمانے میں ٹھٹہ علم و فن کا مرکز تھا۔ اس کی علم دوستی اور علمار نوازی کے باعث ارباب علم و فن ٹھٹہ میں جمع ہو گئے تھے۔ جام نظام اکثر اوقات مذاکرہ و مباحثہ علمی میں علمار کے ساتھ مشغول رہتا۔

---

[1] ماخوذ از بزم مملوکیہ

مآثر رحیمی میں ہے کہ :۔

"اوائل عمر میں وہ علم کی طلب میں مختلف مدارس میں جاتا رہا...... پھر اس کے زمانہ حکومت میں علماء و فضلاء وفور اور غیر معمولی فراغ بالی سے تھے اور اس زمانہ میں سنن کا احیاء اور مدارس کا رواج اس طریق پر تھا کہ اس کی ستائش سے قلم عاجز ہے"۔

اسی نے مولانا جلال الدین دوانی کو شیراز سے ہندوستان آنے کی دعوت دی۔ ٹھٹھ میں ان کے لئے عمدہ قیام گاہ کا انتظام کیا، مگر اسی اثنا میں ان کا سفر آخرت پیش آ گیا[1]

سلاطین ملتان حسین شاہ لنگا علوم و فنون کا بہت بڑا مربی گزرا ہے۔ مصنفین و ارباب فضل و کمال کا سرپرست و مددگار تھا۔ ہمیشہ مالی اعانت اور مناصب و وظائف سے ان کی ہمت افزائی و قدر کیا کرتا تھا، جس کے باعث اس کے حدود حکومت میں فضلاء و ارباب علم و فن کی بڑی کثرت و جمعیت ہو گئی تھی۔ اور ملتان علمی حیثیت سے اپنے گرد و پیش کی حکومتوں میں ممتاز تھا۔ شاہ حسین لنگا نے متعدد مدرسے قائم کئے۔ جن میں ممتاز و مشہور اساتذہ و فنون مشغول درس و تعلیم رہتے تھے[2] حسین مرزا نے بھی علم و فن کی سرپرستی کی۔ سعد اللہ لاہوری اور عبدالرحمٰن جامی اس کے دربار کے زینت تھے۔

---

[1] عہد اسلامی کا ہندوستان [2] ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں۔

Marfat.com

خاندانِ غزنی

ابوالقاسم محمود غزنوی

۳۸۸-۴۲۱ہجری - ۹۹۸-۱۰۳۰عیسوی

سلطان محمود غزنوی نے ہندوستان کے بڑے حصے کو اپنے زیرنگیں کرلیا۔ محمود خود بڑا زبردست عالم تھا۔ علم فقہ اور حدیث میں اس نے کتابیں تصنیف کیں۔ نہایت فصیح و بلیغ تھا اور عربی و فارسی میں بہترین شعر کہتا تھا۔ سلطان بڑا علم دوست تھا۔ اس کے دربار میں چار سو شعرا تھے۔ فرشتہ کے بیان کے مطابق محمود کے دربار میں ارباب کمال کا اس قدر مجمع تھا کہ ہندوستان میں کسی بادشاہ کے زمانے میں نہیں ہوا۔ اس کے زمانے میں غزنین میں مستقل طور پر اہل علم کا اجتماع رہتا تھا محمود کا دربار اپنے عہد میں ہارون و مامون کی یادگار تھا۔ اس کے عہد کو ادب، شاعری، نجوم اور طب کے شاہکاروں کے لئے شہرت دوام حاصل ہے۔

محمود نے خوارزم فتح کیا، تو وہاں کے کل ماہرین فن کو اپنے ساتھ غزنین لے آیا۔ ان میں مشہور و معروف مؤرخ اور ہیئت دان ابوریحان محمد بن احمد البیرونی بھی تھا۔ دوسرے مفتوحہ ممالک سے بھی علماء، فضلاء، اور شعرا، کو غزنین لے آیا، اور اپنے دربار کو ان تابندہ جواہرات سے

Marfat.com

جگمگا دیا۔ ملک الشعراء عنصری، عسجدی، فرخی، مجتبیٰ، منوچہری، غضائری، اسدی طوسی، فردوسی وغیرہ دربار محمودی میں تھے۔

سنہ ۱۰۲۳ء میں گوالیار کے راجہ نندا نے محمود کی اطاعت قبول کرنے کے بعد ہندی میں ایک مدحیہ نظم لکھ کر سلطان محمود کی خدمت میں پیش کی جس میں ہندوستان پر عرب وعجم کی فضیلت اور اسلام کی قوت کا اعتراف تھا۔ محمود کے دربار کے ہندو، عرب اور ایرانی علماء و فضلا نے اس نظم کی بڑی تعریف کی۔ محمود کو نظم کا ترجمہ سنایا گیا تو اس قدر خوش ہوا کہ پندرہ قلعے جن میں قلعہ کالنجر بھی شامل تھا، راجہ نندا کو عطا کئے۔ تاریخ میں علم و ادب کی قدر افزائی کی ایسی نظیر نایاب ہے۔

محمود کی فیاضی کا یہ عالم تھا کہ ایک بار عنصری کے اشعار پر خوش ہو کر اس کے منہ کو تین بار جواہرات سے بھر دیا۔

رازی اپنے وطن ہی سے قصیدہ لکھ کر محمود کی خدمت میں بھیج دیا کرتا تھا، اور ہر قصیدہ کے عوض اسے ایک ہزار اشرفیاں مل جاتی تھیں۔ ایک بار اس نے خود دربار میں حاضر ہو کر ایک رباعی پیش کی، تو اشرفیوں کے دو توڑے زائد عطا کئے۔

سلطان محمود علماء و فضلا اور شعراء پر سالانہ چار لاکھ دینار خرچ کرتا تھا۔

محمود نے غزنین میں ایک عظیم الشان دارالعلوم قائم کیا، جس میں اس عہد کے مشہور علماء درس دیا کرتے تھے۔ دارالعلوم کے

Marfat.com

کے مصارف کے لئے بڑی جائداد وقف تھی۔ تعلیم مفت دیجاتی تھی۔ طلبا کے قیام و طعام کا انتظام سلطنت کی طرف سے تھا۔ دارالعلوم کے ساتھ ایک کتب خانہ تھا، جس میں مختلف زبانوں کی ہزاروں کتابیں تھیں۔ ایک عجائب خانہ بھی تعمیر کرایا، جس میں بہت سی نادر چیزیں اکٹھا کی گئی تھیں۔

شہاب الدین مسعود

۴۲۱ - ۴۳۲ ہجری — ۱۰۳۰ - ۱۰۴۰ عیسوی

علم پروری کی خصوصیت صرف محمود پر ختم نہیں ہوگئی، بلکہ اس کے بیٹے مسعود اور دیگر جانشینوں میں بھی یہی ذوق قائم رہا۔ چنانچہ مسعود کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ وہ علماء کے لئے بے انتہا فیاض تھا۔ اُسے قابل لوگوں کی صحبت کا اس قدر شوق تھا کہ مختلف ممالک سے ماہرین علم وفن اس کے دربار میں جمع ہو گئے تھے۔ مسعود کو خود علم و ادب کا کیسا ذوق تھا وہ اس سے معلوم ہوسکتا ہے کہ زمانہ ولی عہدی میں جب وہ خراسان سے غزنیں آیا اور شعراء نے قصائد تہنیت پیش کئے تو عنصری اور زینبی کو ۵۰، ۵۰ ہزار درہم اور باقی شعراء کو ۲۰، ۲۰ ہزار درہم انعام دلوائے۔ مسعود کریم و فیاض، علم دوست اور ہنر پرور ہونے کے ساتھ ہی بے انتہا دلیر و شجاع بھی تھا۔ اس کی سخاوت کا یہ حال تھا کہ وہ علی ثانی کے نام سے مشہور ہو گیا[1]۔ ایک بار زینبی کو ایک لاکھ درہم اور ایک ہاتھی عطا کیا۔

[1] سلاطین ہند نگار

Marfat.com

ابوریحان البیرونی اپنے عہد کا ممتاز فلسفی اور منجم تھا۔ مسعود کے عہد میں اس کی بڑی قدر افزائی ہوئی اور اسی کے عہد میں اس نے بہت سی بے مثل تصانیف ملک کے سامنے پیش کیں۔ اس نے مسعود کے نام پر ایک کتاب "قانون مسعودی" تھی، جس کے لکھنے پر مسعود نے ہاتھی کے ہم وزن چاندی انعام دی، لیکن فاضل البیرونی نے خزانہ میں واپس کردی۔

قاضی ابو محمد ناصحی نے ایک کتاب "فقہ مسعودی" لکھی اور مسعود کے نام سے منسوب کی۔

اسی طرح اکثر ماہرین فن نے مختلف علوم و فنون کی کتابیں سلطان مسعود کے نام سے تصنیف کیں۔

اس زمانہ میں مسلمان علماء ریاضی، نجوم، فلسفہ، طب، وغیرہ علوم و فنون کا دلچسپی سے مطالعہ کرتے تھے۔ انہوں نے جدید تحقیق و تفتیش کے شعبے بھی قائم کئے۔ بہت سی سنسکرت اور ہندی کتابوں کے ترجمے بھی کئے گئے۔

فرشتہ کے بیان کے مطابق مسعود نے تمام شہروں میں اس قدر مدارس اور مساجد تعمیر کرائے کہ ان کی تعداد بیان کرنے سے زبان قاصر ہے۔

الغرض مسعود اشاعت علم و ہنر، توقیر فضل و کمال میں اپنے باپ کا صحیح جانشیں تھا۔ اس کی کوشش یہ تھی کہ معمولی سے معمولی شخص بھی علم کی طرف توجہ کرے، اور یہی وجہ تھی کہ اس نے کسب علم کے لیے بہت سی آسانیاں پبلک کے واسطے بہم پہنچادی تھیں۔ طلبا کو وظائف

Marfat.com

دیئے جاتے تھے۔ ان کے تمام مصارف کا بار برداشت کیا جاتا تھا۔
اور ہمت افزائی میں کوئی دقیقہ کوشش کا اٹھا نہ رکھا جاتا تھا۔[1]

ابراہیم بن مسعود

۴۵۱ - ۴۹۲ ہجری ۱۰۵۹ - ۱۰۹۹ عیسوی

سلطان ابراہیم نے ترویج تعلیم میں بڑی امداد کی۔ ابراہیم خطاطی میں بہت مشہور تھا۔ وہ ہر سال ایک مصحف اپنے ہاتھ سے لکھ کر ایک سال مکہ معظمہ اور دوسرے سال مدینہ منورہ بھیجا کرتا۔ مشہور ادیب "ابوالعلاء بن یعقوب" ابراہیم کا کاتب تھا۔

ابراہیم نے اپنے عہد میں چار سو سے زیادہ مدارس، مساجد وغیرہ تیار کرائے، ایک عظیم الشان دواخانہ قائم کیا۔

ابراہیم کے عہد میں بہت سے شعرا گذرے ہیں۔ ان میں ابو حنیفہ اسکافی، ابوالفرح رونی، مسعود، سعد سلمان بہت مشہور ہیں۔

ابراہیم کے دور حکومت میں لاہور علوم و فنون کا بڑا مرکز تھا۔

فرشتہ جامع الحکایات کے حوالہ سے بیان کرتا ہے کہ سلطان ابراہیم مذہب کی طرف زیادہ مائل تھا اور نہایت پابندی کے ساتھ وہ امام یوسف سجاوندی کی صحبت میں مذہبی معلومات حاصل کیا کرتا تھا۔

---

[1] اسلامی ہند نگار

Marfat.com

بارہا ایسا ہوا کہ سجاوندی نے سلطان ابراہیم کو سخت الفاظ میں اخلاق کا درس دیا اور اس نے ہمیشہ صبر و تحمل کے ساتھ اُسے سُنا۔ سلطان ابراہیم درس کے وقت اپنی شاہانہ حیثیت بالکل فراموش کر دیا کرتا تھا اور ایک معمولی شاگرد کی طرح زانوئے ادب تہ کر کے تمام زجر و توبیخ کو تلمیذانہ رواداری کے ساتھ برداشت کرتا تھا۔

بہرام بن مسعود

۵۱۲-۵۴۷ ہجری ۱۱۱۸-۱۱۵۲ عیسوی

خاندانِ غزنوی میں بہرام شاہ بھی خاص صفات کا بادشاہ تھا۔ اس نے عنانِ حکومت ہاتھ میں لیتے ہی اپنے ذوقِ علم کا ثبوت دینا شروع کیا۔ اس نے علم و فضل کی اس درجہ قدر کی اور ترقی ادب (لٹریچر) میں اس قدر فیاضی اور عالی حوصلگی سے کام لیا کہ لوگ محمود کے زمانہ کو بھول گئے۔ شیخ نظامی اور سید حسن غزنوی جو مشہور شعراء و حکماء میں شمار کئے جاتے ہیں۔ بہرام ہی کے دربار کے جوہر تابندہ تھے۔ لہ

بہرام شاہ علم و علماء کا قدرداں تھا، کتابیں جمع کرنے کا شائق اور اپنے سامنے پڑھوا کر سُننے کا عادی تھا۔ مختلف کتابیں اس کے لئے لکھی گئی ہیں۔ امام فخر الدین علوم دینیہ میں امام وقت سمجھے جاتے تھے۔ بہرام

لہ اسلامی ہند نگار

Marfat.com

ان کی بڑی عزت کرتا۔ امام صاحب نے بہت سی کتابیں تصنیف کیں۔

حضرت شیخ نظامی گنجوی کی مشہور مثنوی "مخزن الاسرار" کا عنوان بہرام کے نام سے مزین ہے۔

ابراہیم کی خواہش پر ابوالمعالی نصراللہ نے "کلیلہ دمنہ" کا عربی سے فارسی میں ترجمہ کیا۔ ابوالمجد مجدالدین سنائی نے "کتاب الحدیقۃ الحقیقت" تصنیف کی۔

ان کتابوں کے علاوہ بہرام نے مختلف کتابیں غیر زبانوں سے فارسی میں ترجمہ کرائیں۔

غرض سلاطین غزنویہ نے علم و حکمت کو فروغ دینے میں لائق ستائش جدوجہد کی۔ امین احمد رازی مؤلف "ہفت اقلیم" لکھتا ہے، کہ غزنین میں مدرسوں اور مسجدوں کی تعداد بارہ ہزار کے قریب تھی۔

بیرونی کی تحریرات سے معلوم ہوتا ہے کہ غزنوی عہد میں عربی و فارسی زبانیں کس قدر ترقی کر رہی تھیں، اور یونان اور ہند کا نایاب علمی ذخیرہ ان زبانوں میں منتقل ہو رہا تھا۔ ریاضی، نجوم، فلسفہ، علم الادویہ، ہیئت و ہندسہ، یہ خاص فنون تھے۔ جن کی طرف مسلمانوں کو عام طور سے توجہ تھی، اور اسی کے ساتھ ادب کا ذخیرہ بھی سنسکرت وغیرہ سے عربی فارسی میں منتقل ہو رہا تھا[1]

---

[1] PREFACE TO ALBERUNIS' INDIA BY SASHOE

بحوالہ اسلامی ہند نگار۔

Marfat.com

غزنوی سلاطین کی علم پروری سے ہزاروں شعراء اس سلطنت کے دور میں دربار سے وابستہ رہے اور فارسی و عربی ادب میں ان کے نقوش تازہ ہیں۔ پنجاب میں ان کے پچاس ساٹھ سال کی حکمرانی کے دور میں یہاں فارسی گو ہندوستانی شعراء بھی پیدا ہو گئے۔ چنانچہ عوفی نے اپنے تذکرہ میں ان کے لئے ایک مستقل باب قائم کیا ہے۔ ان میں ابوالفرج بن مسعود رونی متوفی ۴۸۴ھ اور مسعود سعد بن سلمان اور روزبہ بن عبداللہ لاہوری خاص طور پر لائق ذکر ہیں[1]

محمود کی نیک نیتی کا یہ اثر تھا کہ غزنوی خاندان کے تقریباً تمام افراد محمود کی کسی نہ کسی خصوصیت کے حامل تھے۔ یہاں تک کہ آخری فرماں روا خسرو بھی حد درجہ فیاض، شریف الطبع اور حلیم تھا[2]

---

[1] عہد اسلامی کا ہندوستان۔ [2] طبقات ناصری

شہاب الدین معز الدین محمد غوری

۵۶۹ - ۶۰۲ ہجری   ۱۱۷۳ - ۱۲۰۶ عیسوی

خاندان غوری کا بانی علاء الدین غوری تھا جس کے بعد سیف الدین غوری تخت نشین ہوا۔ سیف الدین کے انتقال کے بعد غیاث الدین تخت نشین ہوا۔ غیاث الدین غوری کو صرف ملکی معاملات سے تعلق رہا۔ اس کا بھائی شہاب الدین محمد غوری نائب السلطنت اور فوجی جنرل تھا۔ اس نے پرتھوی راج کو شکست دے کر دہلی پر قبضہ کیا۔ محمد غوری نے ۲۹ برس اپنے بھائی کی ماتحتی میں سلطنت کی اور تین برس تک مستقل بادشاہ رہا۔

محمد غوری صاحب علم تھا۔ فقہا و علما اس کی مجلس میں پابندی سے شریک رہتے۔ اور فقہ و دیگر علوم دین کے مسائل زیر بحث رہتے تھے۔ صاحب تفسیر امام فخر الدین رازی کو سلطان سے تقرب حاصل تھا۔ وہ عقیدت مندی کے ساتھ ان سے پیش آتا۔ غزنین کے دربار میں علماء و شعراء اور فضلاء کثرت سے موجود تھے، جن میں سے بعض اہل علم شہاب الدین محمد غوری کی معیت میں ہندوستان تشریف لائے اور علم و عرفان کی خدمت کے لیے یہیں توطن اختیار کیا۔[۱]

[۱] عہد اسلامی کا ہندوستان

Marfat.com

اجمیر کی فتح کے بعد محمد غوری نے متعدد مدارس تعمیر کرائے۔

سلطان محمد غوری نے ادب کے ساتھ فوجی تعلیم کی بھی خوبی سے آمیزش کی۔

سلطان اپنے غلاموں کی تعلیم کا مکمل انتظام کیا، اسی کا نتیجہ تھا کہ اس کے غلاموں میں قطب الدین ایبک، ناصر الدین قباچہ اور بختیار خلجی جیسے قابل فاتح اور مدبر حکمران گذرے ہیں۔

سید کمال الدین عثمانی ترمذی، شیخ سراج الدین محمد بن عثمان جوزجانی، شیخ خطیر الدین محمد بن عبدالملک جرجانی جیسے ممتاز اہل علم غوری کے دور حکومت میں گذرے ہیں۔

فرشتہ لکھتا ہے:-

"شہاب الدین خدا ترس اور عادل حکمران تھا۔ باوجود ایک مقتدر فرماں روا ہونے کے یہ بادشاہ ہمیشہ علماء اور اولیاء کی صحبت میں پہنچتا اور ان کی عزت اور خدمت کرنا دارین کی بھلائی جانتا تھا۔

Marfat.com

قطب الدّین ایبک

۶۰۲ - ۶۰۷ ہجری   ۱۲۰۶-۱۲۱۰ عیسوی

شہاب الدین محمد غوری کی شہادت کے بعد ہندوستان کی عنانِ حکومت غلام خاندان کے ہاتھوں میں آئی۔ اس خاندان کا بانی محمد غوری کا غلام قطب الدین ایبک تھا۔ ۸ ارذیقعدہ ۶۰۲ھ (جون ۱۲۰۶ء) کو اس کی تخت نشینی کی رسم لاہور میں انجام پائی۔ اس کے بعد قطب الدین اپنا پائے تخت لاہور سے دہلی لے آیا۔ پہلے وہ ہندوستان میں محمد غوری کے نائب السلطنت کی حیثیت سے حکومت کرتا تھا، اور اب ہندوستان کا خود مختار بادشاہ تھا۔ اس طرح اس نے ہندوستان کے مرکز دہلی میں مسلمانوں کی مستقل سلطنت کی بنیاد ڈالی، اور دہلی کا پہلا سلطان قرار پایا۔

قطب الدین کو عربی اور فارسی پر عبور حاصل تھا۔ اسے سائنس سے بھی دلچسپی تھی۔ وہ پہلے سے بھی اپنے علم وفضل اور داد و دہش کے لئے مشہور تھا، اور ایک خود مختار بادشاہ کی حیثیت اختیار کرنے کے بعد وہ ارباب فضل وکمال کو انعام واکرام سے بے دریغ مالامال کرنے لگا۔ اس کی فیاضی کے واقعات ضرب المثل کی حد تک

پہنچ گئے اور وہ "لکھ بخش" (لاکھ کا بخشنے والا) مشہور ہو گیا۔ ادب پروری اور معارف نوازی میں اُسے خصوصی شہرت حاصل تھی۔ وہ علماء و شعراء کی قدر و منزلت اور سرپرستی میں نہایت فراخ دل واقع ہوا تھا۔ تاج المآثر میں لکھا ہے :-

"علمائے دین جو انبیاء علیہ السلام کے جانشیں اور علوم شریعت و حقیقت کے نگہبان ہیں، اور جو اپنے تقرب اور بزرگی کے باعث اختصاص کے مرتبہ پر فائز ہیں، بادشاہ نے ان کی توقیر اور احترام کو لازم و واجب قرار دیا تھا اور ان کے اعزاز و اکرام کو کتاب و سنت کی رونق کے ساتھ حکمرانی کا لازمہ اور بادشاہت کا ہنر ٹھہرایا۔"

دوسری جگہ تحریر ہے :-

" ائمہ اور علمائے دین جو خاتم شریعت کے نگینہ اور اور قلادۂ سنت کے واسطے اور درج فتوی کے موتی اور زہد و تقوی کے پیکر اور علم کے مرکز دائرہ اور فلک فضیلت کے قطب اور آسمان معانی کے چاند اور سورج ہیں، ان کے ساتھ بادشاہ بے حد لطف و کرم اور اعزاز و احترام سے پیش آتا تھا۔"

قطب الدین کے دامن دولت سے بڑے بڑے اہل کمال وابستہ تھے۔ اس کا وقت اپنی نئی سلطنت کی نشو و نما میں گذرتا تھا، پھر بھی وہ

Marfat.com

اپنا اکثر وقت علماء و فضلاء کی صحبت میں گزارتا۔

مولانا بہاء الدین اوشی جو اپنے وقت کے مشہور ادیب اور شاعر تھے، احمد محمد بن علی نرمذی، قاضی حمید الدین، علی بن عمر محمودی وغیرہ قطب الدین کے دربار میں تھے۔ اس عہد کے مشہور انشاء پرداز اور مؤرخ شیخ صدر الدین محمد بن حسن نظامی نیشاپوری بھی اسی دربار سے وابستہ تھے اور قطب الدین کی خواہش پر اپنی شہرہ آفاق کتاب "تاج المآثر" لکھی۔ ایک اور اہل قلم، فخر مدبر تھا، اس نے "بحر الانساب" کے نام سے ایک رسالہ قلمبند کر کے سلطان کی خدمت میں پیش کیا تھا۔

قطب الدین نے اپنے دور حکومت میں بہت سی مسجدیں بنوائیں اور ترویج علوم کے سلسلے میں اس کی کوششیں بہت کامیاب ثابت ہوئیں۔

قطب الدین کے نائب بختیار خلجی نے ملک کے مختلف حصوں میں بے شمار مسجدیں تعمیر کیں اور مدرسے قائم کئے۔

(طبقات ناصری)

Marfat.com

شمس الدین التمش

۶۰۷ - ۶۳۳ ہجری - ۱۲۱۰ - ۱۲۳۶ عیسوی

سلطان التمش بڑا ہی شجاع، اولوالعزم اور بے دار مغز حکمراں تھا۔ ساتھ ہی وہ برگزیدہ اولیاء اللہ اور اصحاب علم و کمال کا بڑا قدر داں تھا۔ بقول ابن بطوطہ وہ نہ صرف نیک چلن اور انصاف پرور تھا بلکہ عالم و فاضل بھی تھا۔

مؤرخین نے التمش کو ایک بلند پایہ سیاست داں فرمانروا قرار دیا ہے اور اُسے تخت دہلی کے کامیاب حکمرانوں میں شمار کیا ہے۔ سلطان اپنی سیاسی مصروفیتوں اور اس کی انتظام میں مشغول رہتا۔ لیکن اس کی سیاسی سرگرمیاں، اس کی علم پروری اور معارف نوازی میں مانع نہ ہوسکیں۔ اس نے ارباب فضل و کمال کی بڑی قدر افزائی اور سرپرستی کی۔ اس نے عنان حکومت ہاتھ میں لینے کے بعد ہی گوناں گوں مصروفیتوں کے باوجود علماء، فضلاء اور شعراء کی مجلسیں گرم رکھیں۔ میدان جنگ میں بھی علماء و فضلاء کی ایک جماعت سلطان کے ساتھ رہا کرتی تھی۔ التمش علم و ہنر کا بہت بڑا قدر داں اور مربی تھا۔ اس نے مدارس اور تعلیمی مراکز کی دریا دلی سے سرپرستی کی۔

مولانا منہاج الدین نے التمش کی فیاضی کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

Marfat.com

"اپنی بادشاہت کے اوّل روز سے وہ علماء پر، سادات پر، ماتحت بادشاہوں پر اور امراء و کبراء پر ایک کروڑ سالانہ سے زیادہ خرچ کرتا تھا۔"

دوسری جگہ لکھتے ہیں :۔

"اگرچہ قطب الدین نے بھی اپنے عہد میں بخشش و عطا سے کام لیا، مگر شمس الدین التمش نے اصحاب علم و کمال کو ایک لاکھ کی جگہ ایک کروڑ سے نوازا۔"

خزینۃ الاصفیا کے مؤلف نے التمش کے جود و سخا کو قدرے تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے :۔

"وہ رات کے آخری حصہ میں گدڑی اوڑھ لینا، اور رعایا کی خبر گیری کے لئے شہر کا گشت کرنا۔ علماء و صلحی اور اصفیا کو بڑی بڑی رقمیں دیا کرتا تھا۔ اس کا یہ طریقہ تھا کہ مٹی کے برتن میں اشرفیاں بھر دیتا، اوپر سے گیہوں رکھ دیتا، تاکہ اس کی سخاوت مخفی رہے۔ اور اس کا اظہار موجب ریا نہ ہو۔ سلطان کی اس فیاضی کا نتیجہ یہ تھا کہ بیرونی ممالک سے بکثرت علماء کھنچ کھنچ کر دلی میں جمع ہو گئے تھے، اور یہ شہر علماء و فضلا کا عظیم الشان مرکز بن گیا تھا۔"

سلطان التمش کے زمانہ میں چنگیز خاں کی سفاکیوں اور چیرہ دستیوں سے جان بچا کر بہت سے نامی گرامی علماء، فضلا اور

Marfat.com

شعرا دلی میں جمع ہو گئے تھے۔ سلطان ان کے ساتھ بڑی قدردانی اور عزت افزائی کا برتاؤ کرتا تھا، اور انہیں اپنی بخشش و عطا سے نوازتا تھا۔ مولانا ضیاءالدین برنی لکھتے ہیں کہ چنگیز خانیوں کے فتنہ سے عاجز و پریشان ہو کر ارباب فضل و کمال عہد شمسی میں اس کثرت سے جمع ہو گئے تھے کہ ربع مسکون میں اس کی مثال ناپید تھی، اور یہ عالم تھا کہ سلطان شمس الدین التتمش کا دربار محمود و سنجر کا دربار معلوم ہوتا تھا۔ طبقات ناصری کا مؤلف لکھتا ہے کہ اس دین دار بادشاہ کے لطف و کرم اور بخشش و عطا کا نتیجہ یہ تھا کہ اس عہد میں دلی کے اندر دیار و امصار کے اتنے علماء و فضلاء جمع ہو گئے کہ دوسرے ممالک میں قحط الرجال ہو گیا۔

ان میں سے بعض علما تعلیم و تدریس کے لیے بہت شہرت و امتیاز رکھتے تھے۔ التتمش نے ان کے لیے دلی میں متعدد مدارس قائم کیے، دلی کا مشہور و معروف مدرسہ معزی اسی معارف نواز حکمران کی یادگار رہے۔ اس نے بدایوں میں بھی اپنے عہد حکمرانی میں اسی نام سے ایک مدرسہ قائم کیا تھا، جس سے متصل ایک بڑی مسجد بھی تھی۔

سلطان کی ہمیشہ یہ خواہش رہی کہ ہر قسم کے اصحاب کمال کو اپنے دارالسلطنت میں جمع کرے۔ اس سلسلے میں وہ ہر سال کروڑ روپے صرف کرتا تھا۔

غرض التتمش کی علم دوستی اور معارف پروری کے باعث دہلی

ممالک اسلامیہ کے بڑے بڑے اہل کمال کا مرجع بن گئی اور اس طرح التمش کے عہد سلطنت میں ہندوستان ایک بین الاقوامی مرکز بن گیا۔ طبقات ناصری کے مؤلف نے التمش کے عہد کی دہلی کو "مرکز دائرۂ اسلام" "محیط اوامر و نواہی شریعت" "حوزۂ دین محمدی" "بیضۂ ملت اسلامی" "قبۂ اسلام" "مشارق گیتی" جیسے بلند امتیازی القاب سے یاد کیا ہے۔

التمش نے بخارا کے مشہور شاعر اور فلسفی امیر روحانی کو اپنے دربار میں تقرب بخشا تھا۔

فخر الملک کو جو تیس سال تک خلیفۂ بغداد کا وزیر رہ چکا تھا، وزارت کے منصب پر فائز کیا۔ فخر الملک علم و دانش کے لئے مشہور اور نامور تھا۔

طبقات ناصری کے مشہور مؤلف قاضی منہاج الدین، التمش کے ساتھ اُچھ سے دہلی آئے اور مدرسہ ناصریہ کے صدر مقرر ہوئے۔

حضرت جلال الدین تبریزی دہلی تشریف لائے تو التمش نے علماء و مشائخ کی ایک جماعت کے ساتھ شہر سے باہر نکل کر ان کا استقبال کیا اور ان کو دیکھتے ہی گھوڑے سے نیچے اتر پڑا۔ اور ان کو ساتھ لے کر اس طرح شہر میں داخل ہوا کہ مولانا کی سواری آگے تھی، اور وہ خود ان کے پیچھے تھا۔

حضرت شیخ بدرالدین غزنوی دہلی تشریف لائے، اور سلطان التمش سے ملنے گئے تو اس نے شاہی محل سے باہر نکل کر ان کی پیشوائی

Marfat.com

کی اور ان سے بغل گیر ہوا اور انہیں محل میں لے گیا اور نذرانہ وغیرہ پیش کیا۔

خواجہ ابونصر ناصری، تاج الدین ریزہ اور بہاء الدین علی ایلتمش ہی کے درباری شعراء میں تھے۔

ایلتمش اپنی شاہانہ شوکت و سطوت کے باوجود حضرت بختیار کاکی کے آستانہ کی جبیں سائی کو اپنے لئے باعث فخر تصور کرتا تھا۔ اور آخر عمر تک ان سے عرفان و طریقت کی علمی و عملی تعلیم حاصل کرتا رہا۔

سلطان ایلتمش کے علمی و ادبی مذاق کا شہرہ ہندوستان سے گزر کر بیرونجات کے دور دراز اسلامی ممالک تک پہنچ گیا تھا۔ بیرونی ملکوں سے جو ارباب علم و فن سلطان کی خدمت میں آتے، اس کے لئے اپنے علمی تحفے بھی ساتھ لاتے۔ چنانچہ قاضی جلال عروسی بغداد سے دہلی آئے تو سلطان ایلتمش کے لئے خلیفہ مامون کے ہاتھ کی ایک تحریر لائے جو اس نے "سفینۃ الخلفاء" میں لکھی تھی۔ سلطان اس تحریر کو پڑھ کر قاضی جلال عروسی سے اس قدر خوش ہوا کہ وہ اس تحفہ کے صلے میں قاضی صاحب کو نصف مملکت دینے کے لئے تیار ہو گیا۔

(تاریخ فیروز شاہی)

ایلتمش کے عہد میں فاضلوں اور انشاپردازوں کا ایک بہت بڑا گروہ بادشاہ کے زیر سرپرستی تصنیف و تالیف سے عوام کو فائدہ پہنچا رہا تھا۔ جن کا تذکرہ ذیل میں [illegible] خاص طور پر کیا جاتا ہے۔

Marfat.com

یہی وہ ممتاز فاضل ہے جس نے کتاب "جامع الحکایات" تصنیف کر کے اس نے التمش کے وزیر نظام الملک محمد بن سعید جنیدی کے نام سے معنون کی۔ (فرشتہ)

عہدِ التمش کے ایک دوسرے ممتاز صاحب علم و قلم فاضل مبارک شاہ فخر مدبر نے اپنی کتاب "آداب الحرب و الشجاعۃ" سلطان کے نام سے معنون کی تھی۔

اسی عہد کے ایک اور صاحب قلم موید جاجرمی نے امام غزالی کی مشہور تصنیف "احیاء العلوم" کا فارسی ترجمہ کیا، اور اس کو سلطان التمش کے نام سے معنون کیا۔ (بزم مملوکیہ)

ملا ناصری نے ماوراء النہر سے دہلی آکر قصیدۂ مدحیہ پیش کیا، تو سلطان التمش نے اس کے صلہ میں انہیں فی شعر ایک ہزار نقرئی تنکہ کے حساب سے ترپن ہزار تنکے عطا فرمائے۔

التمش نے ہندوستان کے باہر سے بہت سی بلند پایہ کتابیں منگوائیں "آداب السلاطین" اور "مآثر السلاطین" جیسی کتابیں سلطان ہی کے زمانے میں منگائی گئی تھیں۔

Marfat.com

رکن الدّین فیروز شاہ

۶۳۳ - ۶۳۴ ہجری - ۱۲۳۶ عیسوی -

فرشتہ لکھتا ہے :-

"فیروز شاہ نے بروز سہ شنبہ ۶۳۳ھ کو تخت سلطنت پر جلوس فرمایا۔ شاعروں نے اس کی مدح و تہنیت میں قصیدے اور غزلیں پیش کیں، اور عطیہ اور انعام سے مالامال ہوئے۔"

فیروز شاہ شعر و سخن کا قدر داں تھا۔ اس کی حکومت تقریباً صرف سات مہینے رہی۔ لیکن اس مختصر مدت میں بھی اس نے علم نوازی و معارف پروری کا ایک ریکارڈ قائم کر دیا۔ مؤرخین نے اس خصوصیت کا شاندار الفاظ میں اعتراف کیا ہے۔ طبقات ناصری کا مصنف رقمطراز ہے :-

"فیروز شاہ فیاضی اور سخاوت میں حاتم ثانی تھا۔ اس نے بخشش و عطا میں جس قدر مال و زر خرچ کیا، کسی بادشاہ نے خرچ نہ کیا ہوگا۔"

فیروز شاہی کے حکم سے امام رازی کی عربی تصنیف سر مکتوم کا فارسی زبان میں ترجمہ کیا گیا۔[۱]

---

[۱] بحوالہ بزم مملوکیہ

Marfat.com

رضیہ سلطانہ

۶۳۴ - ۶۳۷ ہجری - ۱۲۳۶ - ۱۲۳۹ عیسوی

رضیہ سلطانہ علم و فضل کے زیوروں سے پورے طور پر آراستہ تھی۔ نہایت علم دوست اور معارف پرور تھی۔ شاعری کا بھی اعلیٰ ذوق رکھتی تھی۔ "شیریں" تخلص تھا۔ طبقات ناصری کے فاضل مؤلف رضیہ کے ذوق علم پروری سے بہت فیضیاب ہوئے۔ وہ گوالیار سے دہلی آئے تو رضیہ نے دہلی کا مدرسہ ناصریہ کا اہتمام ان ہی کے سپرد کیا۔ طبقات ناصری میں لکھا ہے :-

"رضیہ میں تمام خوبیاں موجود تھیں، وہ عاقل و عادل تھی، فیاض اور عالم نواز تھی، انصاف پسند اور رعیت پرور تھی، اور ساتھ ہی بہادر اور جنگ جو بھی تھی"۔

تاریخ فرشتہ میں ہے :-

"سلطانہ رضیہ ان تمام اوصاف سے مزین تھی، جو ایک عاقل اور مدبر بادشاہ کے لئے ضروری ہیں۔ اصحاب نظر اس میں اس کے سوا اور کوئی نقص نہ پاتے تھے، کہ وہ عورت تھی۔ رضیہ قرآن مجید پورے آداب و قرات کے ساتھ پڑھتی تھی، اور دوسرے علوم سے بھی آگاہی رکھتی تھی"۔

رضیہ نے ترویج علوم کے سلسلے میں قابل ستائش کوششیں کیں،

علماء و فضلاء کی بڑی قدر افزائی کرتی تھی اور انہیں وظیفے دیا کرتی تھی۔

دہلی کا مدرسہ معزی جس کے مہتمم مولانا بدر الدین اسحٰق بخاری تھے۔ رضیہ سلطانہ کے عہد میں بڑی ترقی حاصل ہوئی۔

منہاج السراج مصنف طبقات ناصری اسی کے عہد میں ناصریہ کالج سے متعلق ہوا اور گوالیار کا قاضی مقرر کیا گیا جس سے معلوم ہوتا ہے، کہ رضیہ کیسی علم دوست اور ہنر شناس تھی۔ (نگار جنوری ۱۹۳۶ء)

ناصر الدّین محمود

۶۴۴-۶۶۴ ہجری ۱۲۴۶ - ۱۲۶۶ عیسوی

ناصر الدین محمود نہایت نیک طینت اور خدا پرست فرمانروا تھا۔ اُسے مذہب اور فلسفہ سے خاص طور پر دلچسپی تھی۔ ادبیات فارسی کا بڑا سرپرست تھا۔ وہ اپنے ہاتھ سے قرآن مجید کی کتابت کرتا تھا۔ بقول مؤلف طبقات ناصری، سلطان سال میں دو کلام پاک لکھتا اور ان ہی کے ہدیہ سے اپنے اخراجات کی کفالت کرتا۔ ابن بطوطہ کا بیان ہے کہ محمود نہایت نیک سیرت بادشاہ تھا۔ قرآن شریف کی کتابت کرکے اس کی قیمت سے گزارہ کرتا تھا۔ قاضی کمال الدین نے سلطان کے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک قرآن شریف مجھے دکھایا، خط اچھا تھا اور کتابت منشیانہ تھی۔ یہ درویش صفت بادشاہ اپنے بیست سالہ عہد حکومت میں علم و فن کی برابر خدمت کرتا رہا۔

Marfat.com

سلطان ناصر الدین قاضی منہاج الدین کا خاص طور سے گرویدہ تھا اور ان کو حضر و سفر میں ساتھ رکھتا تھا۔ ۶۴۶ھ میں سلطان قلعہ تلسندہ کی تسخیر کے لئے گیا تو مولانا منہاج بھی ساتھ تھے۔ واپسی کے بعد قاضی موصوف نے اس مہم کے واقعات نظم میں قلمبند کئے اور اس کو "ناصری نامہ" کے نام سے موسوم کر کے سلطان کی خدمت میں پیش کیا اور سالانہ وظیفہ سے صلہ یاب ہوا۔ سلطان نے اتنے ہی پر اکتفا نہیں کی، بلکہ ۶۴۷ھ میں ان کو شاہی خلعت اور سو غلام بھی عنایت کئے۔ قاضی منہاج الدین نے اپنی مشہور و معروف تاریخ کی تکمیل ۶۵۸ھ میں کی اور اسے سلطان ناصر الدین کی خدمت میں پیش کیا۔ قاضی صاحب نے اس مربی علم سلطان کے نام کی مناسبت سے اس کتاب کا نام "طبقات ناصری" رکھا۔ سلطان نے قاضی صاحب کی علمی کاوشوں کی بڑی قدر افزائی کی اور کمال لطف و عنایت سے اپنے کندھے کی چادر اتار کر ان کو عطا کر دی۔ اس کے بعد خلعت فاخرہ، دس ہزار جیتل سالانہ وظیفہ، ایک گاؤں اور دوسرے انعام و اکرام سے سرفراز کیا

مولانا منہاج الدین کے علاوہ سلطان، شیخ عماد الدین شقورقانی، قاضی جلال الدین کاشانی، قاضی شمس الدین بہرائچی شیخ الاسلام حضرت جمال الدین بسطامی اور مولانا سید قطب الدین سے بھی خاص مراسم و تعلقات رکھتا تھا۔

ناصر الدین نے تمام ملک میں ترویج تعلیم کی کوشش کی۔

ملک کے تمام علماء و فضلاء اس کے لطف و کرم سے بہرہ ور ہوتے تھے۔ مشہور سیاح ابن بطوطہ نے اس کی علم دوستی کی بڑی تعریف کی ہے۔

ناصر الدین کے عہد میں جالندھر میں ایک عظیم الشان مدرسہ تھا۔ اسی مدرسہ میں الغ خاں اعظم کے ساتھیوں نے ایک مہم میں کامیابی حاصل کر کے دہلی واپس آ رہے تھے تو عید اضحیٰ کی نماز پڑھی تھی۔

غیاث الدین بلبن

۶۶۴ - ۶۸۶ ہجری   ۱۲۶۶ - ۱۲۸۶ عیسوی

غیاث الدین بلبن اپنی شان و شوکت اور جلال و جبروت کے اعتبار سے مسلم شاہانِ ہند میں نمایاں مقام رکھتا تھا۔ بقول ضیا برنی اس نے اپنے بیس سالہ عہد حکومت میں شاہی وقار اور رعب و داب کو اتنا بلند کر دیا کہ اس پر بعد والوں سے اضافہ نہ ہو سکا۔ لیکن اس رعب و داب کے باوجود وہ علماء و مشائخ اور بزرگانِ دین کا بڑا احترام کرتا تھا، اور حصول برکت کے لئے ان کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا۔ مشہور سیاح ابن بطوطہ نے سلطان بلبن کی عدل پروری و علماء نوازی کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ خود بھی عالم و فاضل تھا۔

Marfat.com

جس زمانہ میں چنگیز خاں نے وسط ایشیا میں اپنی سفاکی و غارت گری کی بدولت قیامت صغریٰ برپا کر رکھی تھی۔ اس کی وحشیانہ چیرہ دستیوں سے خائف اور ہراساں ہو ہو کر ماوراء النہر، خراساں، عراق، آذربائیجان، فارس، روم، وغیرہ ممالک باشندوں کی ایک خاص تعداد نے ہندوستان کے پایۂ تخت دہلی میں پناہ لی تھی۔ یہ غیاث الدین بلبن کا عہد حکومت تھا۔ ان آنے والوں میں مختلف ممالک کے شاہی خاندانوں کے افراد بھی تھے اور ان کے ساتھ ارباب علوم وفنون بھی چلے آئے تھے۔ باہر سے آنے والے پناہ گزینوں کے نام پر دہلی میں پندرہ محلے آباد ہوئے۔ ان شہزادوں اور ارباب علم وفن کی بلبن نے شاہانہ سرپرستی کی۔

سلطان بلبن علماء وفضلاء کی تلاش میں رہا کرتا تھا، چنانچہ اس نے افسروں کو حکم دے رکھا تھا کہ "جلیل القدر ارباب علم وفضل کی تلاش وجستجو میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا جائے علماء کی قدر ومنزلت تمہارا مذہبی فریضہ ہے۔ وہ تمہارے اجتماعات کی روح ہیں۔"

ارباب علوم وفنون کی قدردانی اور سرپرستی کے باعث دہلی علم وفن کا شاندار مرکز بن گئی۔ بڑے بڑے علماء اور ارباب علم وفن بلبن کے دربار میں جمع تھے۔ حضرت شیخ گنج شکر، حضرت شیخ بہاء الدین، حضرت شیخ بدرالدین عارف، شیخ مولانا وغیرہ جیسے باخدا صوفیاء و علماء بلبن کے دربار کی زینت تھے۔ اس عہد کے مشہور اہل کمال حضرت

Marfat.com

امیر خسرو بھی اسی دربار کے علما و ادبا میں شامل تھے۔ حضرت امیر خسرو کے قول کے مطابق "اس وقت بخارا بھی جو وسط ایشیا کا بہت بڑا مرکز علم و ہنر تھا، دلی پر رشک کرتا تھا۔" تاریخ فیروز شاہی میں ہے کہ سلطان بلبن کے عہد سلطنت میں بہ کثرت سربرآوردہ علما جو اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے، درس و تدریس کے ذریعہ لوگوں کو فیض پہنچا رہے تھے اور بہت سے ذی مرتبت فقہا و مجتہدین اور ان کے "تلامذہ علوم دین کی اشاعت اور افتاء کا کام انجام دے رہے تھے۔ الحاصل عہد بلبن میں علم و فضل کا چشمہ ہر جگہ سے اُبلتا ہوا نظر آتا تھا۔ کثرت سے ایسے علما اور اہل کمال جمع تھے، جن میں ایک فرد بھی کسی ملک کے لئے موجب فخر و امتیاز ہو سکتا تھا۔

تاریخ فرشتہ میں ہے کہ بلبن کا عہد ارباب علم و ہنر کی کثرت کی وجہ سے ربع مسکون میں بے نظیر و بے عدیل تھا، اور بلبن کا دربار محمود و سنجر کے درباروں پر بھی سبقت لے گیا تھا۔ اس کے بیٹے خان شہید کے یہاں اور کثرت سے علما و فضلا اور مشائخ جمع ہو گئے تھے۔

بلبن کے عہد حکومت میں خواجہ شمس الدین خوارزمی دہلی آئے تو اس نے بڑی قدر کی اور "شمس الملک" کا خطاب دیا۔ اور آخر میں انہیں اپنا وزیر بنا لیا۔

اپنے شاہانہ جاہ و وقار کے باوجود بلبن خود علما و فضلا کے

Marfat.com

گھروں پر جاکر ان کی قدر افزائی کیا کرتا تھا۔ چنانچہ جب وہ بنگال سے دہلی واپس آیا تو خود علماء کے گھروں پر جاکر ان سے ملاقات کی اور انہیں تحائف عطا کئے۔ کسی عالم کا انتقال ہوتا تو تعزیت کے لئے بلبن اس کے گھر جاتا اور جنازہ میں شریک ہوتا۔ اس کی سواری شاہانہ کروفر کے ساتھ گذرتی ہوتی اور وہ کسی واعظ کو وعظ کہتے دیکھ لیتا تو فوراً اُتر جاتا اور عام لوگوں کے ساتھ بیٹھ جاتا۔

(تاریخ فیروز شاہی)

سلطان بلبن نماز جمعہ کے بعد ترک شاہانہ کے ساتھ مولینا برہان الدین، علامہ نجم الدین، عبدالعزیز بن محمد دمشقی اور علامہ شیخ سراج الدین ابوبکر بن یوسف سنجری کی خدمت میں حاضر ہوتا اور ان سے علمی فیض حاصل کرتا۔

سلطان بلبن علماء و فضلاء کی صحبت کا اس قدر دلدادہ تھا کہ اس کے کھانے کے وقت بھی ان کی بڑی تعداد دسترخوان پر موجود رہتی۔ سلطان ان کے ساتھ مذہبی مسائل کی تحقیق کرتا۔

سلطان بلبن کی فرمائش پر سید ملا نے دہلی میں ایک دارالعلوم قائم کیا جس میں نہایت قابل اساتذہ مقرر کئے۔ اس مدرسہ میں نہ صرف تعلیم مفت دی جاتی، بلکہ طلباء کے قیام و طعام کا بھی انتظام تھا۔

سلطان بلبن نے اپنے عہد کے مشہور مشائخ شیخ ابوبکر طوسی کے لئے ایک بڑی خانقاہ تعمیر کرائی جس میں لنگر بھی جاری تھا۔

Marfat.com

فرشتہ نے بلبن کے عہد کو "خیر العصر" کہا ہے۔

شاہ زادہ محمدؒ سلطان بلبن کا بیٹا محمد بھی باپ کی طرح نہایت علم دوست تھا۔ محمد کو فلسفیوں سے خاص تعلق خاطر تھا۔ اس نے علم و حکمت کی ترویج و ترقی کے لئے متعدد علمی و ادبی مجلسیں قائم کی تھیں۔ اس کی خاص مجلس علمیہ کے صدر حضرت امیر خسرو تھے۔ محمد نے نظموں کا ایک قابل قدر مجموعہ بھی مرتب کیا تھا۔ جس میں اساتذہ کے بیس ہزار اشعار تھے۔

محمدؒ نے دو بار حضرت شیخ سعدیؒ کو ہندوستان بلانے کے لئے بے شمار زر و جواہر ان کی خدمت میں روانہ کئے۔ مگر انہوں نے اپنی ضعیفی کا عذر کر کے اپنے آنے سے مجبوری ظاہر کر دی۔ اور بہت سے اشعار بطور تحفہ سلطان کی خدمت میں روانہ کئے اور کہلا بھیجا کہ امیر خسرو جیسے قابل اور باکمال وہاں موجود ہیں، ان ہی پر اکتفا کیجیے۔

شاہ زادہ بغرا قرہ خاں سلطان بلبن کا دوسرا بیٹا بغرا قرہ خاں تھا، اس نے بھی علم و ادب کو ترقی دی، اس نے ایک مجلس قائم کی تھی جس میں رقص و موسیقی اور تمثیل کی خصوصیت حاصل تھی۔ اس نے فسانہ نگاری کی بھی حوصلہ افزائی کی۔ امیر خسرو اور میر حسن مجلس علمیہ و صحبت ادبیہ کی زینت تھے۔

بادشاہ اور شاہ زادوں کے اس شوق کو دیکھ کر امراء اور

دوسرے علم دوست حضرات نے بھی بہت سی علمی مجالس قائم کیں، جن کی تعداد تھوڑی ہی مدت میں بہت بڑھ گئی۔

غرض ملوک سلاطین نے علوم و فنون کی ترقی میں غیر معمولی دلچسپی لی۔ ان کے دور میں علماء اور مشائخ بڑی وقعت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے اور خدمتیں انجام دیتے تھے۔ مسجدیں اور مدرسے ان کی سیادت میں معمور تھے۔

بلبن کے عہد میں طب و نجوم کے بڑے بڑے ماہرین موجود تھے۔ مولانا حمید الدین مطرز کی شخصیت فن طب اور نجوم میں بے نظیر تھی۔ گویا اس عہد کے بقراط و جالینوس تھے۔ مولانا حسام الدین ماریگلہ کا شمار بھی طب کے ماہرین میں تھا۔ مولانا بدر الدین دمشقی کمال فن کے ساتھ زہد و اتقا میں یگانہ تھے۔ اور ان کے کمالِ فن پر ضیا برنی کافی روشنی ڈالتا ہے۔

لہ فیروز شاہی بحوالہ برہان اگست ۵۵ء

خاندان خلجی

جلال الدین فیروز شاہ

۶۸۹ - ۶۹۵ ہجری - ۱۲۹۰ - ۱۲۹۵ عیسوی

غلام خاندان کے بعد سرزمین ہند پر خلجی خاندان نے اپنا پرچم اقتدار و اقبال بلند کیا، جس کا بانی جلال الدین خلجی تھا۔

سلطان بلبن اور جلال الدین کے درمیان جو فرماں روا ہوئے، ان کو علوم و فنون سے چنداں دلچسپی نہ تھی لیکن جلال الدین نے برسر اقتدار آتے ہی پورے طور پر تلافی مافات کر دی۔ اس نے ایک بار پھر دلی کو علوم و فنون کا مرکز بنا دیا۔ حکمت، فلسفہ اور ادب کے تمام ممتاز شعبوں کو جلال الدین کے عہد میں ترقی کرنے کا موقع ملا۔ جلال الدین صاحب علم تھا اور علم دوست بھی۔ بحث و مناظرہ اور موسیقی سے بھی خاص دلچسپی رکھتا تھا۔

جلال الدین کی علم دوستی کی شہرت سن کر ہندوستان اور بیرونِ ہندوستان سے علما، اور اہل فن دلی میں جمع ہو گئے اور اس طرح معارف پرور سلطان نے اپنے عہد کے علما و ادبا کو اپنے دربار میں جمع کر لیا تھا۔ ان میں حضرت امیر خسرو، موید جاجرمی، موید دیوانہ، تاج الدین عراقی، امیر ارسلان کلامی، خواجہ حسن،

Marfat.com

سعید الدین منطقی، اختیار الدین باغی اور قاضی مغیث، باقی خیر بالخصوص قابل ذکر ہیں۔ حضرت امیر خسروؒ سلطان کی مجلس میں کوئی نہ کوئی غزل پڑھتے اور شاہانہ انعامات کی بارش ان پر ہوتی۔

امیر خاصہ اور حمید راجہ جیسے غزل خواں اور محمد شاہ چنگی، فتوخاں، نصیر خاں اور بہروز جیسے ماہرین موسیقی بلبن کے دربار میں تھے۔

مختلف قوموں کے اختلاط کے باعث جلال الدین کے عہد میں ہندوؤں کی مقامی زبانوں اور مسلمانوں کی لائی ہوئی غیر ملکی زبانوں کا امتزاج بھی شروع ہوا، اور اردو کی پیدائش اسی زمانے میں ہوئی۔ جس کے بانیوں میں حضرت امیر خسروؒ کو خاص اہمیت حاصل ہے۔

شاہی کتب خانے کے نگراں حضرت امیر خسروؒ تھے۔

علاء الدین محمد شاہ خلجی سکندرِ ثانی

۶۹۵-۷۱۵ ہجری - ۱۲۹۵-۱۳۱۶ عیسوی

جلال الدین کے بعد علاء الدین ہندوستان کا بادشاہ ہوا۔ شروع میں اُسے تعلیم سے دلچسپی نہیں تھی۔ لیکن تخت پر بیٹھنے کے تھوڑے ہی دنوں بعد علاء الدین کو تعلیم کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اس نے خود تعلیم حاصل کرنے کے لئے مولانا قاضی کہرامی اور قاضی مغیث الدین کو مقرر کیا۔ سلطان ان کا بے حد احترام کرتا تھا۔ علاء الدین کو شعر و سخن سے تو دلچسپی تھی۔ لیکن اُسے مذہبی علوم سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

علائی عہد کے شعراء شیریں کلام کی جدّت طبع اور بلند پروازی کا یہ عالم تھا کہ نہ صرف دلی بلکہ سارا ہندوستان ان کے عدیم المثال وجود پر فخر و ناز کرتا تھا اور ان کی سخن سنجی، دل کش اور رسیلی آوازوں سے ہندوستان کا گوشہ گوشہ گونج رہا تھا۔ ان شعراء میں بعض باکمال دلی ہی میں تشریف رکھتے تھے اور ان کو دربار شاہی سے بھی تعلق تھا۔ درباری شعراء کے مایۂ ناز حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ تھے ...... خسرو کو ایک ہزار تنکہ بادشاہی خزانہ سے ماہ بماہ ملتا تھا۔ خسرو نے اپنا "خمسہ" سلطان علاء الدین کے نام معنون کیا۔ دوسرے درباری شاعر حضرت حسن سنجری تھے۔ حضرت حسن سلاست کلام اور لطافت بیان میں تمام عالم میں مشہور و معروف

Marfat.com

تھے۔ ان کے علاوہ صدر الدین عالی، فخر الدین قواس، حمید الدین راجہ مولانا عارف، عبد الحکیم اور شہاب الدین صدر نشین جیسے بلند پایہ شاعر بھی اسی علائی عہد کی یادگار اور اسی بادشاہ علم پروری کی بخشش وسخاوت کے ممنون احسان تھے[1]

اہل ہنر اور ہر فن کے ماہرین کثرت سے اُس زمانہ میں جمع تھے کہ ایسا مجمع کسی دوسرے زمانہ میں نہ ہوا تھا۔ اسی طرح مشائخ کبار اور اولیاء اللہ کا مقدس مجمع جیسا کہ اس دور میں دہلی میں جمع ہو کر باعث برکت ہوا۔ ایسا کسی زمانے میں یکجا نہ ہوا ہوگا[2]

برنی کے بیان کے مطابق علاء الدین کے عہد میں منقولات، معقولات، اصول دین، نحو ولغت، معانی وبیان، بدیع وکلام اور منطق کے بعض اتنے بڑے علماء دہلی میں جمع تھے، جو بخارا، سمرقند، بغداد، مصر، خوارزم، دمشق، تبریز، اصفہان، رے اور روم کے عالی مرتبت علماء سے بھی فاضل تھے۔

شیخ صدر الدین جو بے مثل فیاض تھے۔ تاج الدین ولد صدر الدین جو اپنی جود وسخاوت علم وحلم کے لحاظ سے بہت مشہور تھے۔ سید مغیث الدین وسید نجیب الدین، قاضی جلال الدین، قاضی

---

[1] فرشتہ [2] فرشتہ

Marfat.com

صدرالدین، مولانا ضیاءالدین بیانوی، حمیدالدین ملتانی، جو اپنے کمالات ظاہری و باطنی میں مخصوص درجہ رکھتے تھے، اسی بادشاہ سے متعلق تھے۔

علاءالدین نے ۲۰ سال تک حکومت کی، اسی زمانے میں دہلی کے ذرہ ذرہ سے علماء فضلاء پیدا ہونے لگے۔ خانقاہیں آباد ہوگئیں، مساجد کی رونق بڑھ گئی۔ مدارس میں درس و تدریس کا شغلہ عام ہوگیا۔ بڑے بڑے صاحبان دل و ارباب ذوق رونما ہوگئے دربار اساتذہ فن کا مرکز بن گیا[1]

فرشتہ کے بیان کے مطابق بے شمار محل، مساجد، دارالعلوم، حمام، مقبرے، قلعے سرکاری و غیر سرکاری عمارتیں یوں تعمیر ہوگئیں، گویا سارا کام جادو کے زور سے ہو رہا ہے۔

علاءالدین کا وزیر اعظم شمس الملک، ایک جلیل القدر فاضل تھا، اور اس دور کے بڑے بڑے علماء اس کے شاگرد تھے۔

سلطان علاءالدین خلجی کے زمانہ میں مشہور بزرگ حضرت شیخ ابوالفتح رکن الدین ایک بار ملتان سے دہلی تشریف لائے تو سلطان نے شاہی کروفر کے ساتھ دہلی سے باہر ان کا استقبال کیا اور بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ ان کو دہلی لایا اور دو لاکھ تنکے نذر پیش کئے، پھر رخصت کے وقت پانچ لاکھ نذر کئے۔ حضرت

---

[1] نگار جنوری ۱۹۴۸ء

Marfat.com

شیخ رکن الدین ؒ نے دہلی چھوڑنے سے پہلے یہ کل رقم فقراء اور ساکین میں تقسیم کردی ۔[1]

علاء الدین کو کتابوں کے جمع کرنے کا بھی شوق تھا۔ شاہی کتب خانے میں بڑی تعداد میں کتابوں کا اضافہ ہوا۔

علاء الدین خلجی کے زمانہ میں دہلی اہل علم کا مرکز بنی ہوئی تھی۔ دہلی کی جو شان تھی اس کا نقشہ امیر خسرو نے کبھی نہ بھولنے والے الفاظ میں یوں کھینچا ہے۔

خوشا ہندوستان و رونق دیں ۔۔ شریعت را کمال عز و تمکیں
ز علم با عمل دہلی بخارا ۔۔ ز شاہاں گشتہ اسلام آشکارا
مسلمانان بہ نعمانی روش خاص ۔۔ ز دل ہر چار آئیں را بہ اخلاص
نہ کیں با شافعی نے مہر با زید ۔۔ جماعت را و سنت را بجاں صید

غرض یہ کہ علاء الدین کا عہد حکومت بھی ہندوستان کے عہد وسطےٰ کی تعلیم کی تاریخ میں خاص اہمیت رکھتا ہے، اور علمی فروغ کے لحاظ سے اس کا عہد ممتاز ہے۔

---

[1] بزم صوفیہ

غیاث الدین تغلق شاہ

۷۲۰-۷۲۵ ہجری - ۱۳۲۱-۱۳۲۵ عیسوی

خلجی خاندان کے بعد ہندوستان کی عنان حکومت تغلق خاندان میں آئی۔ غیاث الدین، تغلق خاندان کا پہلا بادشاہ تھا۔

غیاث الدین علم دوست تھا اور علماء و فضلا کی بڑی قدر کرتا۔ اس کے عہد میں بھی علم و فن کی خوب اشاعت ہوئی۔ اس نے علماء و فضلا کی سرپرستی کی، وظیفے عطا کئے اور مدارس قائم کیے۔

علاءالدین کے زمانے میں اہل شرع کو کوئی قدر و منزلت حاصل نہ تھی۔ لیکن جب غیاث الدین تغلق تخت نشین ہوا تو شرع اور اہل شرع کو زیادہ وقار حاصل ہوا۔ اس کے بعد ہی فقہی علوم اور ترویج شرع پر زیادہ توجہ کی گئی۔[1] غیاث الدین نے ایک فقہ مرتب کی جو قرآن اور سنت دہلی کے بعض معمولات پر مبنی تھی۔[2] جب کوئی فتح یا کامیابی کی خبر غیاث الدین کو ملتی، بیٹا پیدا

---

[1] چشمۂ کوثر [2] ثقافت

Marfat.com

ہوتا، یا شاہزادوں کی شادی وغیرہ ہوتی تو تمام اکابر و علما کو طلب کرتا اور حسب حیثیت انعامات سے سرفراز کرتا۔ جو مشائخ و صوفیہ خلوت نشین ہوتے، اُن کے پاس تحائف و نذرانے وہیں بھیجتا۔ وہ چاہتا تھا کہ جو مسرت مجھے حاصل ہو، اس میں ساری رعایا شریک ہو، وہ سب کو کچھ نہ کچھ دیتا، اور اکثر ایسی داد و دہش کے بہانے پیدا کرتا۔ [1]

غیاث الدین کے زمانے میں بادشاہ کی ہنر پروری سے حضرت امیر خسرو زیادہ فارغ البال اور خوش حال رہے۔ امیر خسرو نے "تغلق نامہ" جو اب کم یاب ہے، اسی بادشاہ کے نام سے معنون کیا۔ [2]

محمد تغلق

۷۲۵ - ۷۵۲ ہجری - ۱۳۲۵ - ۱۳۵۱ عیسوی

سلطان محمد تغلق کا درجہ شغف علمی کے اعتبار سے بہت بلند تھا۔ علم و فضل میں درجۂ کمال پر فائز تھا۔ حافظ قرآن تھا، نیز فقہ حنفی کی کتاب ہدایہ کا حافظ تھا۔ فارسی کا بلند پایہ شاعر تھا، فن شعر میں اس کی جامعیت بہت مشہور رہے۔ عربی پر بھی عبور

---

[1] نگار جنوری ۱۹۴۸ء [2] فرشتہ

Marfat.com

تھا۔ عربی میں خطوط لکھتا، جو ارباب علم کے حلقے میں بڑی وقعت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔ تحریر و تقریر میں بے نظیر تھا۔ عربی اور فارسی میں فی البدیہہ ایسے مضامین تحریر کرا دیتا کہ بڑے بڑے ماہرین فن متحیر ہو جاتے۔ علم تاریخ کا بڑا ماہر تھا مشکل سے کسی کو اس کے سامنے اس علم پر گفتگو کی جرات ہوتی۔ منطق اور فلسفہ کا زبردست ماہر تھا اور ریاضی اور نجوم سے بھی دلچسپی رکھتا تھا۔ فن طب میں کمال تھا، خود مریضوں کا علاج کرتا۔ بہترین خطاط تھا۔ حافظہ کا یہ عالم تھا کہ ایک بار جو سن لیا ہمیشہ یاد رہتا۔ اشعار ہزاروں یاد تھے۔ شرع حنفی کی کتابوں پر عبور تھا۔ علماء سے برابر مسائل علمیہ میں مباحثہ کرتا۔

محمد تغلق بہت سے علوم و زبانوں کے سوا ہندی زبان بھی خوب جانتا تھا۔ اس نے اپنی ایک قیام گاہ کا "سرگ دواری" یا "سرگ دوار" نام رکھا تھا۔

سلطان محمد تغلق علماء، فضلاء، اہل کمال، طلباء اور مستحقین کو روزانہ ہزاروں روپیے دیتا اور دونوں ہاتھوں سے زر و جواہر کی بارش کرتا۔

محمد تغلق نے مولانا عضد الدین سے تعلیم پائی تھی، چار لاکھ تنکے اس نے مولانا کو اس دن عطا کئے جس دن وہ تخت پر بیٹھا۔

ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ مولانا عبد العزیز اردبیلی نے محمد تغلق کو ایک دن کچھ حدیثیں سنائیں، جو بادشاہ کو بہت پسند آئیں۔

بہت خوش ہوا، اتنا خوش کہ مولانا کی قدم بوسی کی اور حکم دیا کہ تھال میں دو ہزار اشرفیاں لائی جائیں، وہ تھال بھر کی بھرائی بادشاہ نے مولانا کو دے دی۔

نزہت نے محمد تغلق کا ایک واقعہ نقل کیا ہے۔ ایک ایرانی شخص نے محمد تغلق کے دربار میں ابن سینا کی شفا کا ایک نسخہ پیش کیا جو یاقوت کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا، اور ایک جلد میں تھا، محمد تغلق اسے دیکھ کر اتنا خوش ہوا کہ پیش کرنے والے کو اس نے بڑا انعام دیا، جس کا اندازہ کیا گیا تو دو لاکھ مثقال یا اس سے زیادہ ہوگا۔[1]

فقیہ شمس الدین اندکانی نے ایک فارسی قصیدہ سلطان تغلق کی تعریف میں پڑھا، جس کے ستائیس شعر تھے۔ سلطان نے ہر ایک بیت کے عوض ہزار دینار دیئے۔

عضدالدین شونکانی ایک مشہور فاضل تھے۔ سلطان تغلق نے ان کے پاس ان کے گھر پر دس ہزار روپے بھیج دیئے۔

محمد تغلق نے قاضی مجدالدین ولی شیرازی کی تعریف سنی تو ان کے پاس شیراز میں شیخ زادہ دمشقی کی معرفت دس ہزار روپے بھیج دیئے۔

مولانا جمال الدین نے سلطان محمد تغلق کی مدح میں قصیدہ پیش

---

[1] ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت۔

کیا اور جب اس کا مطلع پڑھا تو سلطان نے روک دیا اور کہا کہ باقی اشعار کے صلے میں انعام دینے سے مجبور ہوں۔ یہ کہہ کر اشرفیاں منگوائیں اور حکم دیا کہ مولانا کے قدم سے سر تک ڈھیر لگا دیا جائے۔ اشرفیاں سر تک پہنچی تھیں کہ مولانا کھڑے ہو گئے۔ سلطان کو مولانا کی یہ ادا بڑی پسند آئی۔ حکم صادر کیا کہ اشرفیاں قد آدم ڈھیر لگا دی جائیں[1]

ملک سنجر بدخشانی کو اسی لاکھ تنکہ، ملک عماد الدین کو ستر لاکھ تنکہ اور مولانا ظفر الدین کو چالیس لاکھ تنکہ ایک دن میں اٹھا کر دے دیا۔ اسی طرح مولانا ناصر الدین اور ملک غازی کو جو ایک فاضل شاعر تھا، سالانہ لاکھوں تنکے انعام میں دے دیتا[2]

محمد تغلق کی علم دوستی کی شہرت یمن، خراساں، فارس اور وسط ایشیا میں تھی، اور ان ممالک سے اہل کمال بڑی تعداد میں کھنچ کر دہلی آ گئے۔ فرشتہ لکھتا ہے کہ محمد تغلق کے سارے زمانۂ حکومت میں یہ سلسلہ جاری رہا کہ عراق و خراساں، ماوراء النہر و ترکستان اور روم و عربستان سے بڑے بڑے فاضل اہل کمال غربت زدہ مسافر انعام و اکرام کی امید پر اس کی بارگاہ میں آتے تھے اور ہر شخص اپنے خیال سے زیادہ انعام پاتا تھا۔

محمد تغلق کے متعلق ملا عبدالقادر بدایونی لکھتے ہیں: —

---

[1] معارف [2] فرشتہ

Marfat.com

"اس سال خراسان، عراق اور سمرقند سے سلطان محمد تغلق کی بخشش و عطا کی امید پر اتنے علماء و فضلاء ہندوستان آئے کہ اس دربار میں اتنی تعداد کسی دوسرے گروہ کی نظر نہ آئی تھی۔"

علامہ مقریزی لکھتے ہیں کہ محمد تغلق کے عہد میں صرف دہلی میں ایک ہزار مدارس اور مکاتب تھے۔

شیراز کے قاضی عضد نے مواقف کا متن لکھا۔ محمد تغلق کو خبر ہوئی تو اس نے اس کتاب کو اپنے نام معنون کرنے اور قاضی عضد کو ہندوستان لانے کے لئے اس وقت کے مشہور عالم، مولانا معین الدین عمرانی کو شیراز بھیجا۔ شیراز کے حاکم کو اس کی خبر ملی تو وہ خود قاضی کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ بیوی کے سوا میری حکومت اور میرے پاس جو کچھ ہے لے لیں، لیکن نہ یہ کتاب کسی دوسرے کے نام معنون کریں اور نہ شیراز چھوڑیں۔ قاضی عضد ہندوستان جانے کے لئے تیار نہیں ہوئے۔ اور مولانا واپس آئے۔

محمد تغلق کے دربار میں علماء و فضلا و اہل کمال اور شعراء بہ کثرت تھے۔ مسالک الابصار فی ممالک الامصار میں ابوالعباس احمد نے لکھا ہے کہ اس بادشاہ کے دربار میں ہزار شعراء اور بارہ سو طبیب تھے کھانے پر بیٹھتا تھا تو دو سو فقہا اس کے دسترخوان پر ہوتے تھے، جن سے وہ عالمانہ مذاکرات کیا کرتا تھا[1] ضیاء الدین برنی، فقیہ شمس الدین،

---

[1] ثقافت

نجم الدین، ناصرالدین ترمذی، محدث عبدالعزیز اردبیلی، مولانا علیم الدین، ملک الشعراء بدر چاچ، سعد، مولانا زین الدین شیرازی، معین الدین عمرانی، مولانا خواجگی، مولانا احمد تھانیسری، عبدالمقتدر بخشی وغیرہ سلطان محمد تغلق کے دربار کی زینت تھے۔ اسی عہد میں مشہور سیاح ابن بطوطہ ہندوستان آیا۔ محمد تغلق نے اسے دہلی کا قاضی مقرر کیا۔

فیروز شاہ تغلق

۷۵۲-۷۹۰ ہجری — ۱۳۵۱-۱۳۸۸ عیسوی

فیروز شاہ تغلق علوم و فنون کا بڑا شائق تھا۔ اسے تاریخ سے خاص دلچسپی تھی۔ فیروز شاہ علم اور اہل علم کا بڑا حامی و سرپرست تھا، اور اپنی قدردانی علم و فضل، فیاضی اور اولوالعزم کے اعتبار سے سلاطین ہند میں خاص اہمیت رکھتا تھا۔ اس کے دور حکومت میں علم و ادب کو بڑا فروغ ہوا۔ نیز علوم دینیہ خصوصاً فقہ کی تدوین میں کوشش کی گئی۔ فیروز شاہ نے ایک فقہ مرتب کی جو قرآن اور سلطنت دہلی کے بعض معمولات پر مبنی تھی۔ اس نے اپنی خود نوشت سوانح عمری بھی "فتوحات فیروز شاہی" کے نام سے مرتب کی تھی۔

فیروز شاہ عطایا و وظائف پر ایک کروڑ چھتیس لاکھ تنکہ سالانہ صرف کرتا تھا۔ جس میں سے چھتیس لاکھ تنکہ کی رقم علماء دین اور

Marfat.com

دوسرے فضلا کو دی جاتی تھی۔ (عفیف)

فیروز شاہ کی علم پروری کے متعلق برنی لکھتا ہے:۔

"فیروز شاہ کے زمانے میں جو علماء و فقہا اور اساتذہ و طلباء نیز تعلیمی ادارات کو حکومت کی جانب سے وظائف و انعامات اور جاگیریں پائے ہوئے تھے ان کی تعداد ہزاروں سے گزر کر لاکھوں تک پہنچ گئی تھی، جو معلمین سو دو سو تنکے مشاہرہ پاتے تھے۔ ان کو فیروز شاہ کے عہد حکومت میں چار سو یا پانچ سو بلکہ ہزار تنکے ملنے لگے تھے۔ اسی طرح طلباء کو بھی جن کو پہلے بیس تنکے ملتے تھے، ایک سو تین تنکے ملنے لگے تھے۔"

فیروز نے بہت سے معلمین مختلف مقامات پر اشاعت کی غرض سے بھیجے کہ ان مقامات پر قیام کر کے طلباء کو درس دیا کریں۔

فیروز شاہ نے تمام پرانے مدارس کی سرپرستی کی۔ تیس مدارس ایسے تھے جن کے مصارف سرکاری خزانے سے پورے کئے جاتے تھے، دو بڑے دارالعلوم تھے، جن کے نام "مدرسہ فیروز شاہی" اور "مدرسہ بالا تیا" تھے۔ ان کے لئے جو عمارتیں بنوائی گئی تھیں، وہ دہلی کی بہترین تعمیرات میں شمار ہوتی تھیں۔ ملک کے مختلف حصوں سے تشنگان علوم دہلی میں آتے اور علم و فضل کے ان چشموں سے سیراب ہوتے تھے۔ طلباء کو یہاں کھانا اور کپڑا بھی دیا جاتا تھا۔ ضیا برنی لکھتا ہے کہ "مدرسہ فیروز شاہی اپنی شان و شوکت، خوبی

Marfat.com

عمارت اور حسن انتظام و تعلیم کے لحاظ سے مدارس ہند میں سب سے بہتر اور عمدہ ہے، مصارف کے لئے شاہی وظائف مقرر ہیں۔"

سلطان فیروز شاہ خود لکھتا ہے :-

"سلطان شمس الدین التمش کا مدرسہ خراب ہو گیا تھا میں نے اس کو از سر نو بنوایا اور صندل کے دروازے اس میں لگائے۔ سلطان علاء الدین کے مقبرہ کی مرمت کرائی اور صندلی دروازے اس میں لگوائے۔ آبدار خانہ کی دیوار اور مدرسہ کی مسجد تھی۔ اس کی مغربی دیوار بنوائی۔

ان مقبروں اور مدرسوں کی مرمت اور از سر نو تعمیر کا خرچ ان کے قدیمی اوقاف کی آمدنی سے کیا گیا، مگر اُن صورتوں میں کہ پہلی آمدنی ان عمارتوں کے فرش، روشنی اور مسافروں اور زائروں کے اسباب آرائش کے لئے نہ تھی، تو میں نے دیہات ان کے لئے وقف کر دیئے، جن کی آمدنی سے ہمیشہ خرچ چلایا جانے لگا۔"

فیروز شاہ نے اپنے بیٹے "شہزادہ فتح خان" کے مقبرے کے ساتھ بھی ایک مدرسہ قائم کیا تھا۔

فیروز شاہ تغلق کے عہد حکومت میں ہر جمعہ کو نماز کے بعد کوئی تین ہزار موسیقار، قفہ گو اور جسمانی کرتب دکھانے والے قصر سلطانی کے سامنے جمع ہوا کرتے تھے، اور سلطان انہیں انعامات

نوازتا تھا۔ (فرشتہ)

فیروز نے کوتوال اور ضلع داروں کو حکم دے رکھا تھا کہ ایسے علما، و فضلا کے متعلق جو اپنی عزت کا اظہار پسند نہیں کرتے تحقیقات کے بعد رپورٹ کریں، تاکہ ان کی امداد کی جائے۔

فیروز شاہ کو تصنیف و تالیف سے بھی دلچسپی تھی۔ "فتوحات فیروز شاہی" میں سلطان نے اپنے زمانہ کے حالات خود لکھے ہیں۔ نگر کوٹ کا مشہور کتب خانہ "جوالامکھی" جس میں تیرہ سو سنسکرت کی کتابیں تھیں، فیروز شاہ کے قبضے میں آیا تو اس میں علما کو طلب کر کے بعض کتابوں کا ترجمہ کرایا۔ انہیں کتابوں میں سے ایک کتاب "بارہ سنگتا" کا مولانا اعز الدین خالد خانی نے فارسی میں ترجمہ کیا۔ ایک کتاب عروضی علم موسیقی کی اور ایک فن پٹہ بازی کی بھی سنسکرت سے فارسی میں ترجمہ کی گئی۔

سراج عارف اور ضیاء الدین برنی، فیروز شاہ کے دربار کے مشہور مؤرخ تھے۔ علامہ ضیا برنی نے "تاریخ فیروز شاہی" تصنیف کی اور فیروز شاہ کے نام سے موسوم کی۔

فیروز شاہ کو غلاموں کی تعلیم و تربیت کا بڑا خیال تھا۔ ان کی دیکھ بھال کے لئے ایک خاص محکمہ قائم کیا تھا۔ اراکین سلطنت اور امرا بھی غلاموں کو تعلیم دلوا کر بادشاہ کی خدمت میں پیش کرتے ایسے غلاموں کی تعداد ایک لاکھ اسی ہزار تھی۔ یہ غلام مختلف علوم و فنون کے ماہر تھے۔ فیروز شاہ ان غلاموں کے بچوں کو ہر طرح

Marfat.com

کا کام سکھانا۔ کسی کو قرآن پاک حفظ کراتا، کسی کو حدیث اور فقہ کی تعلیم دلوانا، کسی کو خوش نویسی کی تعلیم دلواتا، کسی کو فن سپہ گری کا فن سکھاتا۔ غرض کہ ہر قسم کے علم و فن سے ان غلام زادوں کو آراستہ کرتا، ہر ایک کا وظیفہ مقرر تھا، جو دس سے تنکہ تک تھا۔

شمس سراج عفیف کا بیان ہے کہ:۔

"فیروز شاہ اپنے غلاموں سے ان کی استعداد اور صلاحیت کے مطابق کام لیتا تھا، جو غلام سیاسی خدمات انجام دینے کے اہل تھے۔ ان کو سلطنت کے مختلف شعبوں میں مقرر کیا جاتا تھا، اور جو غلام علمی اور تعلیمی کاموں سے طبعی مناسبت رکھتے تھے، ان کو اسکولوں اور کالجوں میں داخل کر کے مختلف علوم و فنون کی اور دینیات کی تعلیم دلائی جاتی تھی۔ بعض بعض غلاموں کو مکہ معظمہ بھیج دیا جاتا تھا کہ وہ اطمینان سے وہاں میں دنیوی علائق سے یکسو ہو کر ہمہ تن [illegible] میں مشغول رہیں۔"

"مسلمانوں کے نوعمر بچے علم دین کی تحصیل میں دنیاوی فوائد حاصل کرنے کے لئے مشغول ہوتے تھے اور عالم و ادیب و خطاط لڑکوں کو تعلیم دیتے تھے، اور ان کی اجرت خزانۂ شاہی سے ادا کی جاتی تھی، اور اس کام میں حد سے زیادہ سعی و کوشش کرتے تھے"

Marfat.com

علامہ شیرانی تحریر فرماتے ہیں :۔

"فیروز شاہ کے دور کا یہ امر آبِ زر سے لکھنے کے لائق ہے کہ ہندی زبان میں مثنوی بھی لکھی گئی۔ مولانا داؤد نے کتاب "چنداین" لوراک اور چندا کا عشقیہ افسانہ ہے، جو ناسنہ خاں جہاں خلف وزیر خان جہاں کے نام پر لکھی گئی"۔ [1]

مولانا جلال الدین رومی (مشہور مولانا رومی نہیں) مولانا احمد تھانیسری، مولانا خواجگی، قاضی عبد القادر، عزیز الدین خالد خانی، عین الملک وغیرہ سلطان فیروز شاہ کے دربار کی زینت تھے۔

سلطان فیروز شاہ تغلق کے عہدِ سلطنت میں خان اعظم تاتار خاں نے ایک مجموعہ فتاویٰ مرتب کیا، جس کا نام "فتاویٰ تاتار خانیہ" رکھا گیا، جس کی ترتیب اس طرح دی گئی کہ بیشتر شہر دہلی کے تمام کتب فتاویٰ جمع کیں اور اس کے بعد خود ایک نسخہ ترتیب دیا۔ جس میں ہر مسئلہ میں مفتیانِ شرع کے اختلاف نقل کئے اور مفتی کے اختلاف کو فتویٰ کی طرف منسوب کر کے فتویٰ اور مفتی کی صراحت کر دی۔ یہ مجموعہ تقریباً تیس جلدوں میں مرتب ہوا۔ [2]

فیروز شاہ کے تمام کاموں میں سب سے زیادہ اہم اور موجودہ تہذیب کے نقطۂ نظر سے بے انتہا قابلِ قدر کام یہ ہے کہ اس نے قدیم

---

[1] بحوالہ چشمہ کوثر [2] تاریخ فیروز شاہی

عہد کے دو سنگین مینار میرٹھ اور خضر آباد کے قریب سے اکھڑوا کر کوشک شکار میں نصب کرائے۔ یہ دونوں مینار ۲۰۰ سال قبل مسیح کے ہیں۔ ہر چند یہ دونوں مینار ہندو یا بودھ مذہب سے تعلق رکھتے تھے۔ لیکن فیروز شاہ نے بے انتہا کاوش و سعی محنت و صرف سے ان دونوں میناروں کو اپنی دارالحکومت میں منتقل کرایا۔ اس کا یہ احسان ایسا معمولی نہیں ہے، جسے آثار قدیمہ اور بودھ مذہب فراموش کر سکے۔[۱]

سیّد خاندان

۸۱۷ - ۸۵۵ ہجری - ۱۴۱۴ - ۱۴۵۱ عیسوی

تغلق خاندان کے بعد سیّدوں کا زمانہ آیا، لیکن ان کی حکومت سارے ہندوستان پر نہیں ہوئی، بلکہ ایک مختصر حصّہ ان کے قبضہ میں رہا۔

سیدوں کی حکومت ہندوستان کے مسلم بادشاہوں میں کمزور ترین حکومت تھی۔ اس خاندان کے کسی بادشاہ نے کوئی علمی خدمت انجام نہیں دی۔

---

[۱] نگار جنوری سنہ ۴۸ء ۱۹

Marfat.com

خاندان لودھی

بہلول لودھی

۸۵۵-۸۹۴ ہجری - ۱۴۵۱-۱۴۸۸ عیسوی

سید خاندان کے بعد ہندوستان کی عنان حکومت لودھی خاندان میں آئی۔ بہلول لودھی اس خاندان کا بانی تھا۔

بہلول نہایت ہی دین دار اور علم دوست تھا، اہل کمال کی صحبت اُسے بہت پسند تھی۔ علما و فضلا اور اہل کمال کی امداد بھی کرتا۔ اسلامی قانون کا وہ بہت زیادہ مطالعہ کرتا۔ بہلول نے متعدد مدارس قائم کئے۔

فرشتہ لکھتا ہے کہ سلطان بہلول میں ظاہری خوبیاں تمام و کمال موجود تھیں۔ یہ بادشاہ سنّت نبوی کریم صلے اللہ علیہ وسلّم کا پورا پابند تھا۔ سفر و حضر ہر جگہ عالموں اور درویشوں کے ساتھ رہتا اور اکثر اوقات انہیں کی صحبت میں بسر کرتا۔

سیر المتاخرین میں ہے کہ اس نے مساجد و مدارس تعمیر کئے اور ان میں امام، موذن، خطیب اور مدرس مقرر کئے، اور ان کو وظیفے اپنی سرکار سے مرحمت فرمائے۔

بہلول لودھی نے بدایوں میں کچھ مساجد، مقبرے اور مدرسے

Marfat.com

قائم کئے، گویا دہلی سے سو میل کے اندر علم کا ایک اور مرکز پیدا ہوگیا جس میں بہت سے مدارس کھل گئے اور دہلی اور فیروز آباد سے جو شروع کیا ہوا کام جاری ہوگیا[1]

سکندر لودھی

۸۹۴-۹۲۲ ہجری — ۱۴۸۸-۱۵۱۸ عیسوی

لودھی سلاطین میں سکندر علم دوستی اور کمال پروری میں شہرہ آفاق تھا۔ سکندر عمدہ اشعار نظم کرتا "گل رخ" تخلص کرتا تھا۔ سکندر نے آگرہ کو اپنا دار السلطنت بنایا اور اس کی علم پروری نے آگرہ کی شہرت اسلامی دنیا میں پھیلادی اور علماء و فضلاء، مشائخ و صوفیا، شعراء و ادباء کا مرکز بن گیا۔ فارس، عرب، بخارا وغیرہ کے ارباب علم و فن کھنچ کھنچ کر آگرہ چلے آرہے تھے اور سلطان سکندر کی فیاضیوں سے مالا مال ہو رہے تھے۔ میر رفیع الدین شیرازی محدث، شیخ ابو الفتح مکی، شیخ حسن شیرازی جیسے بڑے بڑے باکمال فضلائے عصر آگرہ میں جمع ہوگئے۔ سکندر نے حکم صادر کیا تھا کہ فوجی افسر سب تعلیم یافتہ ہونے چاہئیں۔

سکندر کو تصنیف و تالیف کا بھی شوق تھا۔ اس کے

---

[1] ثقافت

Marfat.com

عہد میں تصانیف کثرت سے ہوئیں۔ سلطان خود علماء و فضلاء سے
مختلف علوم و فنون کی کتابیں لکھواتا۔ "فرہنگ سکندری" اور
دوسری کتابیں اسی عہد میں لکھی گئیں۔

سکندر فن طب کا بڑا سرپرست تھا۔ اس نے ہندوستان
اور بیرونِ ہندوستان کے حکماء کو جمع کیا۔ بہت سی کتابیں خراسان
سے منگوائی گئیں، اور طب پر ایک مبسوط کتاب لکھی گئی، جس کا نام
"طب سکندری" رکھا گیا۔ "طب سکندری" علم طب میں ایک معتبر
کتاب سمجھی جاتی ہے۔ اس کتاب کے سلسلہ میں تاریخ داؤدی میں لکھا
ہے کہ "ارگر مہا ویدک" جو فن طب کے متعلق سنسکرت کی مشہور کتاب
تھی، فارسی زبان میں "طب سکندری" کے نام سے ترجمہ کی گئی۔

سلطان سکندر کے حکم سے بعض ہندی اور سنسکرت کی کتابوں
کے ترجمے بھی ہوئے۔

خلوت و جلوت: ہر حالت میں سترہ ممتاز علماء و فضلاء
سلطان سکندر لودھی کے ساتھ رہتے تھے۔ ان میں قنوج کے صدرالدین،
سکری کے میاں عبدالرحمٰن اور سنبھل کے میاں عزیزالدین خاص طور سے
قابل ذکر ہیں۔ خلوت خاص میں سلطان نصف شب تک مذہبی احکام
وغیرہ ان علماء سے دریافت کرتا رہتا، اس کے بعد کھانا چنا جاتا۔ اس کی
ساری عمر گزر گئی، لیکن یہ معمول کبھی ترک نہیں ہوا۔

مذہبی مباحث کا اسے بہت شوق تھا اور اکثر علماء کو جمع کر کے
وہ ان کی گفتگو سنا کرتا تھا۔ ایک بار جب لودھن نامی ایک برہمن

Marfat.com

نے یہ دعویٰ کیا کہ تمام مذاہب برابر ہیں۔ تو سکندر شاہ نے مقتدر علماء کو حکم دیا کہ وہ اس سے بحث کریں۔[1]

سید صدر الدین قنوجی، میاں عبدالرحمٰن سکری، میاں عزیز الدین سنبھلی کے دربار میں مستقل طور پر مقیم تھے، اور ان کے علاوہ دہلی، قنوج وغیرہ کے بعض علماء کو کبھی کبھی مباحثات کے لئے طلب کر لیا کرتا تھا۔

الغرض سلطان سکندری کے دربار میں ہر وقت علمی چرچا رہا کرتا تھا۔

سلطان سکندر لودھی نے ہندوؤں کو فارسی تعلیم حاصل کرنے اور سرکاری دفتر میں داخل ہونے کی ترغیب دی اور خدمات کے سلسلہ میں جاگیریں عطا کیں۔ چنانچہ ہندوؤں نے بڑی تعداد میں فارسی پڑھنی شروع کی۔ کائستھوں نے اس طرف خاص طور سے توجہ کی اور اپنی قابلیت اور صلاحیت کی بنا پر بڑا عروج حاصل کیا۔

فرشتہ لکھتا ہے کہ سلطان سکندر کے مبارک عہد میں علم کا بول بالا ہوا، اور امراء اور سپاہی اور ارکان دولت غرض کہ ہر طبقہ علم کی طرف مائل ہوا، بلکہ غیر مسلم رعایا بھی فارسی لکھنے اور پڑھنے کی طرف، جس کا اس سے پیشتر ان لوگوں میں کبھی دستور نہ تھا، مائل ہوئی۔

سکندر نے ان ارباب علم کو جنہیں بیرون ہند سے دعوت بھیج کر

---

[1] نگار جنوری سنہ ۴۸ء

Marfat.com

ہندوستان بلایا، یا خود ہندوستان آئے سبھوں کو ہندوستان ہی میں قیام کرنے کی ترغیب دی۔ چنانچہ بہت سے اہل علم یہاں رہ گئے۔

مولانا سید مناظر احسن گیلانی تحریر فرماتے ہیں کہ علمی تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سکندر کا عہد "عہد آفریں" قرار پانے کا مستحق ہے۔ شیخ محدث "اخبار الاخیار" میں ارقام فرماتے ہیں۔ "زمان دولت سکندر زمان صلاح وتقویٰ و دیانت و امانت و علم و وقار بود" اس کے بعد ارشاد فرماتے ہیں کہ — "ودر ابا علماء و صلحاء و اکابر و اشراف میلے عظیم شد۔" ایک مطلق العنان بادشاہ میں جب کسی چیز کا "میل عظیم" پیدا ہو جائے، تو اس کا جو نتیجہ ہو سکتا ہے، ظاہر ہے۔ شیخ محدث ہی فرماتے ہیں — "لہذا از اکناف عالم از عرب و عجم بعضے بہ سابقہ استدعا، وطلب، و بعضے بے آں در عہد دولت او تشریف آوردہ توطن ایں دیار اختیار کردند۔" (ص ۲۲۷)
جس سے معلوم ہوتا ہے کہ گو اس سے پیشتر کے بادشاہوں کے عہد میں بیرونِ ہند سے آنے والوں کا سلسلہ اس ملک میں جاری تھا، مگر عموماً انعام و اکرام لے کر پھر یہ حضرات اپنے اصلی اوطان کی طرف لوٹ جاتے تھے۔ سکندر ہی شاید پہلا ہندی بادشاہ ہے جس نے ان بزرگوں کو بھی جنہیں خود دعوت بھیج کر اس نے ہندوستان بلایا، جیسا کہ "سابقہ استدعا" سے ظاہر ہے، یا جو خود اس کی قدر دانیوں کا شہرہ سن کر اس ملک میں آئے۔ سب کو باصرار ہندوستان ہی میں رہنے اور اس کو وطن بنانے پر اس نے اصرار کیا۔ شیخ نے اس کے بعد اس عہد

Marfat.com

کے بزرگوں کا تفصیلی تذکرہ کیا ہے، لکھا ہے ـــ چنانچہ اکثر بزرگان دریں طبقہ کہ مذکور می شوند از ال قبیل اند۔" شیخ محدث پر عہد سکندری کے غیر معمولی امتیازات کا جو اثر تھا، اس کا اظہار آخر میں بایں الفاظ فرماتے ہیں ـــ" بالحقیقۃ محامد زمان سلطنت آں سلطان سعادت نشان از حد تقریر و تحریر خارج است۔"

ملّا عبدالقادر بدایونی اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں۔" واقعہ یہ ہے کہ دلی میں ارباب علم وفضل کا عہد سکندری میں غیر معمولی مجمع اکٹھا ہو گیا تھا۔ ان ہی میں دو بھائی شیخ عبداللہ اور شیخ عزیز اللہ بھی تھے۔ ان دونوں حضرات کو فن تدریس میں کمال حاصل تھا۔ شیخ عبداللہ کو تو سکندر نے دلی ہی میں رکھ لیا۔ اور مولانا عزیز اللہ سنبھل (مراد آباد) روانہ کئے گئے، جو اس زمانہ میں اس علاقہ کا مرکزی شہر تھا۔ سلطان سکندر شیخ عبداللہ کے طریقۂ درس و تعلیم کا گویا عاشق تھا۔ بدایونی نے لکھا ہے کہ" می گویند کہ سلطان سکندر در وقت درس شیخ عبداللہ مذکور می آمد (ص ۳۲۲) اور اکثر کیا کرتا تھا، لکھتے ہیں کہ" در گوشۂ مجلس آہستہ می نشست و بعد از فراغ درس سلام علیکم۔ گفتہ بایک دگر صحبت می داشتند۔ (بدایونی ج ا ص ۳۲۲) (سلطان سکندر مولانا شیخ عبداللہ کے درس کے وقت جب کبھی پہنچتا تو پوشیدہ طور سے کونہ میں جا کر بیٹھ جاتا کہ درس و تدریس میں حرج واقع نہ ہو۔ جب وہ فارغ ہو جاتے تو بادشاہ سلام علیک کہہ کر سامنے آجاتا)۔

Marfat.com

بداؤنی کے بیان کے مطابق سکندر لودھی کے عہد کے شعراء میں ایک برہمن تھا۔ اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ غیر مسلم ہونے کے باوجود علوم مروجہ کی کتابوں کا درس دیتا تھا۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں ہندو بھی مسلمانوں کے عربی، فارسی نصاب کو ختم کرتے تھے اور مسلمان علماء کو ان کو اپنے درس میں شامل کرنے میں کوئی عذر نہیں ہوتا تھا۔

سلطان سکندر نے نرداز اور متھرا میں مدرسے قائم کئے۔

عہد سکندری کی ایک اور دلچسپ کتاب "تحفۃ السعادت" یا "فرہنگ سکندری" ہے۔ جسے محمد بن شیخ ضیا نے حروف ابجد کے لحاظ سے بائیس ابواب میں مرتب کیا ہے۔

(چشمہ کوثر)

Marfat.com

مغلیہ خاندان

ظہیر الدّین محمّد بابرؒ

۹۳۲-۹۳۷ ہجری - ۱۵۲۶-۱۵۳۰ عیسوی

لودھی خاندان کے بعد ہندوستان کی عنان حکومت مغلیہ خاندان میں آئی۔ سلطان ظہیر الدین محمد بابر اس خاندان کا بانی تھا۔ بابر کی مادری زبان ترکی تھی، لیکن عربی اور فارسی زبانوں کا بھی بڑا ماہر تھا۔ جغرافیہ، تاریخ اور فلکیات سے بھی اُسے خاص دلچسپی تھی۔ بابر ایک بڑا ادیب اور متعدد کتابوں کا مصنف تھا، اور روسی جنرل سٹیوف کے بیان کے مطابق کوئی علمی شعبہ ایسا نہ تھا، جس میں وہ دلچسپی نہ لیتا ہو۔ اس کی سب سے زیادہ قابل تعریف تصنیف "تزک بابری" ہے، جو اس نے خود اپنے قلم سے لکھی ہے۔ بابر کی یہ خود نوشت سوانح عمری علمی دنیا میں بہت مشہور ہے، اور نواب صدر یار جنگ کے الفاظ میں تمام عالم نے اس کی تعریف کی ہے۔ بقول ہنری الیٹ ان سوانح عمریوں میں ہے، جو سب سے اچھی اور سب سے سچی کہی جاسکتی ہیں، اور ولیم ارسکن کے بیان کے مطابق اپنی نوعیت کے لحاظ سے عجیب و غریب ہے۔ "تزک بابری" کی اہمیت اس سے ظاہر ہوتی ہے کہ دنیا کی کل اہم زبانوں میں اس کے ترجمے ہوئے۔

فرشتہ لکھتا ہے کہ بابر علم موسیقی اور شاعری، علم املا اور انشا میں اپنی نظیر نہ رکھتا تھا۔ اپنے عہد کے واقعات ایسی شستہ اور فصیح ترکی زبان میں لکھے ہیں کہ اس زبان کے بڑے بڑے ماہرین نے اس کی انشا پردازی کا لوہا مان لیا۔

بابر بلند پایہ شاعر بھی تھا۔ اس کا ترکی زبان کا دیوان فصاحت اور بلاغت کے لئے مشہور ہے۔ تاریخ رشیدی کا مؤلف مرزا حیدر کہتا ہے، کہ امیر علی شیر بیگ نوائی کے بعد ترکی شاعری میں کوئی اور بابر کا ہمسر نہ تھا۔ بابر کی دو مثنوی 'مبین' بہت مشہور ہے، جو اس نے اپنے لڑکے کامران کی تعلیم کی غرض سے لکھی تھی۔ بابر کبھی کبھی فارسی میں بھی شعر کہتا۔

بابر نے علم عروض پر ایک کتاب 'مفصل' کے نام سے لکھی۔ اس نے خواجہ عبید اللہ احرار کا ایک رسالہ "والدیہ" کو بھی نظم کیا تھا۔

بابر نے سنہ ۹۱۰ھ میں ایک نئے طرز کی تحریر ایجاد کی جو "خط بابری" کے نام سے مشہور تھی۔ اسی خطِ بابری میں اس نے ایک قرآن پاک لکھ کر مکہ معظمہ بھیجا تھا۔

بابر کے محکمہ "شہرت عام" کے ذمہ مدارس کا قائم کرنا اور ایک گزٹ شائع کرنا بھی تھا۔

بابر کتب بینی کا بڑا شائق تھا۔ سفر میں بھی کتب خانہ اس کے ساتھ رہتا تھا۔ پنجاب کے افغان امیر غازی کے پاس ایک قیمتی کتبخانہ

جس پر بابر قبضہ کر کے بعض کتابیں وہ ہمایوں اور کامران کو بھیجیں۔

وہ ارباب کمال جو بابر کی علم نوازی کا حال سن کر بیرون ہندوستان سے یہاں آئے، بابر نے ان کی پذیرائی اور سرپرستی پورے شاہانہ انداز سے کی۔

بابر کے دربار میں ممتاز فضلاء و شعراء کی ایک جماعت تھی جو برابر اس کی معیت میں رہتی تھی۔ جو اہل علم سب سے پہلے بابر کی توجہ اور سرپرستی سے مستفید ہوئے، وہ خوندامیر، مولانا شہاب الدین معمائی اور مرزا ابراہیم ہراتی تھے۔ شیخ زین الدین صدر کے عہدہ پر فائز تھے۔ شیخ زین الدین نے بابر مثنوی مبین کی شرح لکھی۔ بابر کی فتح ہندوستان کے متعلق ایک تاریخ بھی قلمبند کی۔ دربار کے ممتاز فضلاء میں مولانا بقائی بھی تھے۔ ایک مثنوی مخزن کی زمین میں لکھ کر بابر کی خدمت میں پیش کی۔ مولانا شہاب الدین علم و فضل، شعر گوئی خصوصاً معمہ گوئی میں بلند پایہ رکھتے تھے۔

شاعروں میں شیخ ابو الوجد فارغی، سلطان محمد کوسہ، مرتج و داعی شیخ جمال کہنہ مشق تھے۔ اطباء میں میر ابوالبقاء، مولانا یوسفی اور خواجہ نظام الدین علی خلیفہ اپنے علم کے لئے مشہور ہیں۔ یہ تمام ارباب کمال بابر کی علم نوازی کا حال سُن کر خراسان، ہرات اور دوسری جگہوں سے ہندوستان آئے تھے۔ بابر بھی ان کی پذیرائی اور سرپرستی پورے شاہانہ انداز سے کرتا تھا۔[1]

---

[1] بزم تیموریہ۔

Marfat.com

نصیر الدین محمد ہمایوں

۹۳۷ - ۹۴۶ / ۹۶۲ - ۹۶۳ ہجری - ۱۵۳۰ - ۱۵۳۹ / ۱۵۵۵ - ۱۵۵۶ عیسوی

بابر کے جانشین نصیر الدین محمد ہمایوں نے اپنی پریشانیوں کے باوجود علوم و فنون کی سرپرستی کی۔ ابوالفضل کے بیان کے مطابق اس کی فطرت صالحہ اسکندر کی ہمت اور ارسطو کی علمیت کا مجموعہ تھی۔

ہمایوں کو علم ریاضی، علم ہیئت اور علم نجوم سے بڑی دل چسپی تھی۔ ان علوم پر وہ درس بھی دیا کرتا۔ مشہور ہیئت داں مولینا نورالدین ترخان ہمایوں سے کبھی درس لیتا اور کبھی کسی مسئلہ کے حل کرنے میں اس کی مدد کرتا۔ ستارہ شناسی کے فن میں ہمایوں کو خاص واقفیت تھی۔ روسی جنرل سٹیوٹ لکھتا ہے کہ "باپ کے نقش پر چلنے اور اس کی قائم کی ہوئی سلطنت کو استحکام و تقویت دینے کے بجائے وہ نجوم و علم ہیئت میں ہمہ تن مستغرق ہو گیا"۔ مسٹر ولسٹ اے۔ اسمتھ کا بیان ہے کہ "ہمایوں کی شخصیت قابل تعریف تھی، اپنے خاندان کے اور افراد کی طرح اعلیٰ تعلیم حاصل کی تھی اور لٹریچر اور سائنس سے گہری دلچسپی تھی، ریاضی اور نجوم خاص طور پر مرغوب تھا"۔ تمام معاصر مورخین ہمایوں کو ایک بلند پایہ شاعر اور علم ریاضی و ہیئت کا ماہر و عالم بتاتے ہیں۔

کرّے اور اصطرلاب جو عموماً مدارس میں نظر آتے ہیں، ان کا ابتداءً رواج دینے والا ہمایوں ہی تھا۔ اس نے خود ایک خاص قسم کا

Marfat.com

اصطرلاب ایجاد کیا تھا، جو "اصطرلاب ہمایونی" کے نام سے مشہور ہے۔ چنانچہ اس کے عہد کے اکثر اصطرلاب اور کرات اب تک مختلف مقامات میں محفوظ ہیں[1] علم ہیئت و ریاضی میں ہمایوں کی تحقیقات اور اصطرلاب اور کروں کے بنانے میں بعض اختراعات "قانون ہمایونی" میں درج ہیں، جو اس عہد کے نامور مؤرخ خواند امیر کی تصنیف ہے، جسے اس نے ہمایوں کی فرمائش پر لکھا تھا۔

ہمایوں فنون لطیفہ کا بھی شائق تھا۔ شعراء کے کلام سے خاص دلچسپی تھی۔ خود بھی اچھا شاعر تھا، اور فرصت کے اوقات میں شعر وسخن کا مشغلہ رکھتا۔ صاحب دیوان تھا۔ ہمایوں کی شاعری کے متعلق ماہنامہ معاصر پٹنہ میں اکثر تحقیقی مضامین پروفیسر حافظ شمس احمد صاحب منیری کے قلم سے نکلتے رہے ہیں۔ اور پروفیسر ہادی حسن صاحب نے بھی ایک مقالہ انگریزی زبان میں شائع کیا ہے۔

ہمایوں کا زمانۂ حکومت زیادہ تر طوائف الملوکی اور پریشان حالی میں گذرا، اس لئے اس کو عام طور پر تعلیمی مدارس اور ادارے قائم کرنے کا موقع نہیں ملا۔ پھر بھی دلی میں اس نے ایک مدرسہ قائم کیا تھا، جس کے ایک مدرس شیخ حسین تھے[2]

ہمایوں کو کتابوں کے جمع کرنے کا بڑا شوق تھا۔ چنانچہ اس کے عہد میں شاہی کتب خانے میں بڑی تعداد میں کتابوں کا اضافہ ہوا۔

---

[1] مولانا سید سلیمان ندوی بحوالہ بزم تیموریہ [2] اکبرنامہ بحوالہ بزم تیموریہ۔

زمانۂ جنگ میں بھی کتب بینی کیا کرتا۔ جب وہ ہندوستان سے بھاگنے لگا تو اس کے ساتھ اس کا ذاتی کتب خانہ بھی تھا۔ شیر شاہ کی عمارت جو "شیر منڈل" کے نام سے مشہور تھی، ہمایوں کے حکم سے کتب خانوں میں تبدیل کردی گئی تھی۔

خواندہ میر، عبدالطیف، شیخ حسن، جوہر، ملا جرتی، مولانا جنونی بدخشاں، مولانا نادر سمرقندی، مولانا ابو الواحد فارغی وغیرہ ہمایوں کے دربار کی زینت تھے۔ مخدوم الملک مولانا عبداللہ سلطان پوری صاحب تصنیف بزرگ تھے، ہمایوں کی سرپرستی نے انہیں مسند صدارت پر بٹھایا تھا۔

ہمایوں کو علمی اور دینی تحقیقات کا بھی شوق تھا۔ وہ اس کو پسند کرتا تھا کہ مختلف مذاہب کے پیرو دینی اور علمی مباحث میں حصہ لیں اور اس طرح ایک دوسرے کے معتقدات اور مراسم سے واقفیت حاصل کریں اور مختلف مذاہب کے پیرووں میں جو تنگ نظری اور تعصب پایا جاتا ہے وہ دور ہو، چنانچہ اس مقصد کے لئے اس نے دہلی کے نواح میں ایک علیحدہ شہر بسانے کی کوشش کی تھی اور اس کا نام "دین پناہ" رکھا تھا۔

Marfat.com

سور خاندان

شیر شاہ

۹۴۶ - ۹۵۲ ہجری - ۱۵۴۰ - ۴۵ ۱۵ عیسوی

ہمایوں کو شکست دے کر شیر شاہ ہندوستان کا بادشاہ بنا جو سور خاندان کا بانی تھا۔

شیر شاہ عظیم الشان بادشاہ گذرا ہے، اس نے جونپور میں تعلیم پائی تھی۔ فارسی اور عربی کی خاص قابلیت تھی۔ فلسفہ، منطق اور تاریخ پر بھی عبور تھا علما و فضلاء کی بڑی قدر کرتا۔ وہ اکثر مدرسوں اور خانقاہوں میں جاتا اور علماء و مشائخ کی خدمت میں حاضر ہو کر استفادہ کرتا۔ اپنے عہد حکومت میں اس کی یہ عادت تھی کہ جب کبھی علماء اس کے پاس مدد معاش حاصل کرنے کے لئے آتے تو اُن سے "حاشیہ ہندی" کے متعلق سوالات کیا کرتا، کیونکہ اُسے تاریخ و سیر کی کتابوں سے بہت شغف تھا۔ بڑے بڑے اہل کمال شیر شاہ کے دربار میں موجود تھے۔ اس نے متعدد مدارس قائم کئے۔ نارنول (ضلع پٹیالہ) میں ایک شاندار دارالعلوم قائم کیا جو "شیر شاہی مدرسہ" کے نام سے مشہور تھا۔ طلباء کو شاہی خزانے سے وظیفے ملتے تھے۔

شیر شاہ نے اپنی ہندو رعایا میں تعلیم سے دلچسپی پیدا کرنے کے

Marfat.com

لئے اوقاف کئے تھے اور ان کا انتظام ان ہی پر چھوڑ دیا تھا[1]

سلیم شاہ

۹۵۲ - ۹۶۰ ہجری - ۱۵۴۵ - ۱۵۵۲ عیسوی

سلیم شاہ بھی علم دوست تھا۔ شیخ عبداللہ سلطان پوری اور مخدوم الملک شیخ عبدالحسن کمبوہ سلیم شاہ کے دربار میں تھے۔

مغل خاندان

ابوالفتح جلال الدین اکبر

۹۶۳ - ۱۰۱۴ ہجری - ۱۵۵۶ - ۱۶۰۵ عیسوی

سور خاندان کے زوال کے بعد بابر کا پوتا جلال الدین محمد اکبر ہندوستان کا بادشاہ ہوا۔ اکبر خود تعلیم یافتہ نہ تھا، لیکن بڑا ہی علم دوست تھا، اس نے علوم و فنون کی جس قدر امداد و سرپرستی کی اس کی تفصیل کے لئے ایک مقالہ نہیں بلکہ ایک مبسوط کتاب درکار ہے۔ اکبر نے علوم و فنون کو عروج اور فروغ دینے میں کسی طرح کی کوتاہی روا نہیں رکھی، لیکن اسے عربی اور اسلامی علوم سے دلچسپی نہیں تھی۔ اپنی لادینی سیاست کی وجہ سے اسے مذہب اسلام

---

[1] ایشوری پرشاد کی کتاب ہسٹری آف مسلم رول آف انڈیا۔

Marfat.com

سے برگشتگی پیدا ہو گئی تھی اور علوم اسلامیہ کو نفرت کی نگاہ سے دیکھنے لگا تھا۔ اور بعض اہل دربار کے مشورہ سے اس نے خود ایک مذہب "دین الہٰی" قائم کیا تھا چنانچہ ملا عبد القادر بدایونی کے بیان کے مطابق، عربی پڑھنا اور عربی جاننا عیب قرار دیا گیا، اور فقہ و حدیث کے پڑھنے والے مردود و مطعون ٹھہرائے گئے اور ان کی جگہ نجوم، حکمت، حساب، شعر و شاعری، تاریخ، افسانہ رائج ہوئے۔ اس طرح اسلامی علوم اور دینیات کی امداد و سرپرستی اٹھا لی گئی۔ ۹۹۵ھ میں عربی اور اسلامی علوم نصاب سے خارج کر دینے کا شاہی حکم صادر ہوا۔ نجوم، حساب، فلسفہ وغیرہ نصاب میں داخل کئے گئے۔ ملا صاحب لکھتے ہیں:۔

"اسی سال فرمان صادر ہوا کہ ہر قوم علوم عربیہ کو چھوڑ کر نادرہ و غریبہ یعنی نجوم و طب، حساب و فلسفہ کے سوائے اور کچھ نہ پڑھیں۔"

اس حکم کا نتیجہ کیا ہوا، وہ بھی ملا صاحب کے الفاظ میں ملاحظہ کریں:۔

"مدرسے اور مسجدیں سب ویران ہوئے۔ اکثر اہل علم جلا وطن ہو گئے۔"

ملا صاحب نے دو شعر بھی اس سلسلے میں لکھے ہیں، ان کا اردو ترجمہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے:۔

"مدرسے علماء سے اس طرح خالی ہو گئے، جیسے ماہ رمضان

میں شراب خانہ شرابیوں سے خالی ہو جائے۔ جو تختی معلم
کے پاس ادب کی تعلیم کے لئے استعمال کی جاتی تھی۔
وہ چوسر کا تختہ بن گئی اور قاری کا مصحف (قرآن)
جوئے کے سلسلے میں گرو ہے۔"

اکبر نے ایک دارالترجمہ قائم کیا، جس میں مسلم اور غیر مسلم اہل قلم مقرر کئے گئے۔ اس ادارہ کے صدر ملک الشعراء ابوالفیض فیضی تھے۔ بہت سی سنسکرت اور ہندی کتابیں فارسی قالب میں ڈھالی گئیں۔ جن میں ذیل کی کتابیں خاص طور سے قابل ذکر ہیں:۔

نام کتاب	نام مترجم
مہابھارت	نقیب خاں اور ملا عبدالقادر بدایونی۔ ملا شیری اور حاجی تھانیسری نے بھی ترجمہ کرنے میں حصہ لیا اور ابوالفضل نے اس پر مقدمہ لکھا۔
رامائن	ملا عبدالقادر بدایونی
وید	حاجی ابراہیم سرہندی
سنگھاسن بتیسی	ملا عبدالقادر بدایونی اور خواجہ حسن مروی۔
اتھربن وید	نو مسلم برہمن شیخ بھاون نے شیخ ابراہیم سرہندی، فیضی وغیرہ کی مدد سے ترجمہ کیا۔
لیلاوتی	فیضی
تاجک	مکمل خاں گجراتی
ہری بنس	

Marfat.com

نام کتاب	نام مترجم
ہربنس	مولنا شیری
کلیلہ دمنہ	ابوالفضل
راج ترنگنی	مولانا شاہ محمد شاہ آبادی
	ملا بدایونی نے بھی اس کا ترجمہ سلیس زبان میں کیا۔
نل دمن	فیضی
کرشن جی	اراکین دارالترجمہ
یوگ واشٹھ	نقیب خاں، ملا شاہ اور ابوالفضل
تہیش جہانند...	ابوالفضل

بعض عربی اور فارسی کتابیں سنسکرت میں ترجمہ کی گئیں۔

دور اکبری میں فارسی نے نہایت فروغ حاصل کیا۔ تاریخ کی بہترین کتابیں فارسی میں لکھی گئیں اور دوسری زبان کی کتابیں فارسی میں منتقل ہوئیں۔ اکبر کے حکم سے خلفا، اور سلاطین اسلام کی ایک ضخیم تاریخ لکھی گئی۔ جس میں رسول اکرم صلعم کی وفات سے ۹۹۰ھ تک کے واقعات درج ہیں۔ اس کا نام "تاریخ الفی" ہے۔ ابوالفضل نے "اکبرنامہ" اور "آئین اکبر" نہایت محنت و کاوش سے لکھی۔

ان تاریخوں کے علاوہ نثر و نظم کی بہت سی کتابیں اکبر کی فرمائش پر لکھی گئیں، ملک الشعرا ابوالفیض فیضی نے نظامی کا خمسہ کی زمین پر پانچ مثنویاں لکھیں۔ خسرو شیریں کے مقابل میں سلیمان و بلقیس اور لیلی و مجنوں کے طرز پر نل دمن لکھی۔ ان دونوں میں علیحدہ علیحدہ چار ہزار

اشعار تھے۔ ہفت پیکر کے وزن پر ہفت کشور اور سکندر نامہ کے جواب میں اکبر نامہ لکھی، جو پانچ ہزار شعروں پر مشتمل تھیں۔ مخزن اسرار کے مقابلہ میں مرکز ادوار لکھی، جس میں تین ہزار ابیات تھیں۔ فیضی نے کلام مجید کی ایک بے نقط تفسیر "سواطع الالہام" بھی لکھی، جس کے صلہ میں اکبر نے دس ہزار روپے دیئے۔ اس نے اخلاقیات پر ایک بے نقط کتاب "سوارد الکلام" بھی تالیف کی تھی۔[1]

اکبر کے زمانہ میں ہندوؤں میں فارسی کا بہت زیادہ رواج تھا۔ رائے منوہر توسنی کی شاعری کی شہرت ہندوستان سے نکل کر ایران تک پہنچ گئی۔

ابوالفضل، حکیم ابوالفتح گیلانی، خواجہ نظام الدین، مولانا عبداللہ سلطان پوری، مولانا سید محمد، شیخ عبدالغنی دربار اکبری کی زینت تھے۔

اکبر کی علم دوستی کا شہرہ سُن کر میر فتح اللہ شیرازی، چلبلی بیگ اور دوسرے علماء ایران سے ہندوستان چلے آئے۔

اس عہد کا ہندی کا ایک نامور شاعر عبدالرحیم خان خاناں بھی ہے جو بڑے فضل وکمال کا آدمی تھا، اور ارباب فضل وکمال کا قدردان تھا۔ اس نے متعدد مدرسے قائم کئے اور ایک عظیم الشان کتب خانہ بھی قائم کیا تھا۔

---

[1] مآثر الامراء بحوالہ بزم تیموریہ

Marfat.com

فن مصوری میں اکبر کو خاص دلچسپی تھی۔ اس نے سیکڑوں خوبصورت مصور کتابیں تیار کرائیں۔ دربار اکبری کے باکمال مصوروں کے نام ابوالفضل نے "آئین اکبری" میں درج کئے ہیں، ان کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اکبر ہندو مصوروں کی کتنی قدر افزائی کرتا تھا پٹنہ کی خدا بخش لائبریری میں "تاریخ خاندان تیموریہ" کا ایک نسخہ موجود ہے، جس میں دربار اکبری کے مصوروں کی بنائی ہوئی تصویریں ہیں۔

پرسی براؤن لکھتا ہے کہ اس ہندی دبستان کے بانی تو عبدالصمد اور میر سید علی ہیں۔ لیکن باقی تمام باکمال فنکار ہندو ہیں۔

جس زمانہ میں پریسوں کا رواج نہیں تھا۔ خوش نویسی اور خطاطی اشاعت علم کا واحد ذریعہ تھی۔ علم دوست مسلمان قوم نے اس فن کی ترویج و ترقی میں کافی دلچسپی اور توجہ سے کام لیا۔ اکبر کے عہد میں اس فن کو بالخصوص ترقی ہوئی اور بڑے بڑے ماہر اور باکمال پیدا ہوئے۔ محمد حسین کشمیری، زریں قلم مولانا عبدالعزیز وغیرہ دربار اکبری کے مشہور خطاط تھے۔

اکبر نے متعدد مدرسے قائم کئے۔ فتح پور سکری میں ایک عظیم الشان مدرسہ قائم کیا۔ آگرہ میں بھی ایک مدرسہ قائم کیا۔ شیراز کے مشہور عالم چلپی بیگ اسی مدرسہ میں تھے۔

اکبر کو کتابوں کی فراہمی کا بہت شوق تھا، اور اس کی خواہش تھی کہ شاہی کتب خانہ کسی نایاب کتاب سے خالی نہ رہے۔ بہت سی نایاب کتابیں بڑی قیمتوں پر حاصل کی گئیں۔ شاہی کتب خانے میں

Marfat.com

عربی اور فارسی کے علاوہ سنسکرت اور ہندی کتابوں کا بھی اضافہ ہوا۔ گجرات سے کتابوں کا بڑا ذخیرہ لایا گیا۔ فیضی کے کتب خانے میں چار ہزار کتابیں تھیں، وہ بھی شاہی کتب خانے میں رکھی گئیں۔ شاہی کتب خانے میں تقریباً چوبیس ہزار کتابیں تھیں، جن کی قیمت کا اندازہ اسمتھ نے ساڑھے پینسٹھ لاکھ روپے لگایا ہے۔

اکبر کا مشہور "عبادت خانہ" سیکری میں تھا۔ اسی عمارت میں ہر خیال کے علما و فضلا کی مجلسیں منعقد ہوتیں، جن میں اکبر خود بھی حصہ لیتا۔

اکبر نے ایک طرف ہندوؤں میں فارسی تعلیم کو مروج و مقبول بنانے کی کوشش کی، تو دوسری جانب ہندو علوم و فنون کو وسعت و ترقی دینے میں۔ اکبر مسلمان اہل کمال کی طرح بلکہ ان سے بھی زیادہ ہندو فضلاء اور اہل کمال کی قدر افزائی کیا کرتا تھا۔ وہ ازراہ عزت ہندو اہل علم اور ارباب فن کو "میاں"، "مرزا" اور "خاں" کے خطابات سے سرفراز کیا کرتا۔ ان کے ساتھ نہایت فیاضی سے پیش آتا تھا۔ فیروز تغلق کے عہد میں بھی اس قسم کی مثالیں ملتی ہیں، لیکن بقول نریندر ناتھ لا، اکبر کا زمانہ اس لحاظ سے بہترین زمانہ تھا۔ اکبر نے ناہر چرن کو ایک دوہے پر نصف سیر سونا مرحمت کیا۔ گنگ کوی کو ایک شعر کا انعام ۳۶ لاکھ روپیہ دیا۔ علاوہ ازیں اکبر ذیل کے ہندو شعرا کی سرپرستی کرتا تھا۔ ہول، کرن، امرت منوہر، جگ دیش، جودھ، جیت، جگا تنگ، لکھمن داس، ٹوڈرمل، بیربل، مادھو، شری پت وغیرہ۔

Marfat.com

عہد اکبری میں ہندو علوم و فنون کی جس طرح سرپرستی کی گئی، اسکے متعلق ترندیو انا تھ لا کا بیان قابل ملاحظہ ہے۔ وہ لکھتا ہے:۔

اکبر کی دانش مندانہ اور منظم حکمت عملی تھی کہ اس کے ذریعہ ہندو علوم کی حفاظت کا انتظام کیا گیا۔ اس نے ہندو نوجوانوں کی تعلیم کا ان کی اپنی تہذیب کے مطابق بندوبست کیا اور پھر "عبادت خانہ" میں ہندو فضلا کے ساتھ بحث مباحثہ کا سلسلہ جاری کیا۔ اس نے ہندوؤں کی پرانی کتابوں کے ترجمے کا حکم دیا، جس سے اس کی ہندو تہذیب کی قدردانی نیز اس کی اشاعت کے لئے جوش و خروش کا حال بخوبی معلوم ہوتا ہے۔ سب سے زیادہ قابل ذکر بات یہ ہے کہ اس نے ممتاز علماء و فضلاء کی جو فنون لطیفہ مثلاً موسیقی اور مصوری میں خاص شہرت رکھتے تھے، شاہانہ سرپرستی کی"۔

ہندی زبان کی سرپرستی اور حوصلہ افزائی کے علاوہ اکبر ہندوستان کے قدیم لٹریچر کا محافظ بھی تھا۔ اکبر نے ہندو علوم کے ہر شعبہ سے اپنی دلچسپی و اعانت کا اظہار کیا۔ چنانچہ اس نے ہندوؤں کی مذہبی کتابیں، ہندو شاعری، فلسفہ، ریاضی، الجبرا وغیرہ کی کتابیں سنسکرت سے فارسی میں ترجمہ کرائیں۔ اکبر کے اس طرز عمل نے ہندوؤں کی خوابیدہ ذہنی قوتوں کو بیدار کر دیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے ہر شعبۂ زندگی میں حرکت محسوس ہونے لگی۔ امبیکا پرشاد پچ پائی

Marfat.com

کا بیان ہے کہ نانک کے بعد ہندی کا تاریک زمانہ پانی پت کی دوسری لڑائی تک رہتا ہے، جبکہ ہندوستان کی سلطنت مغلوں کو مل گئی۔ اکبر کا عہد سلطنت ہندی کی دوبارہ زندگی کا زمانہ کہنا چاہیئے۔ اس زمانے میں مختلف بھاشوں میں لکھنے والے بہت سے شاعر ملتے ہیں۔ اکبر کا عہد اعلیٰ مرتبہ کی تصنیفات کے لئے مشہور رہا ہے۔"

اکبر کا عہد فنون لطیفہ کے حق میں ایک زریں عہد تصور کیا جاتا ہے اس بادشاہ کو فن موسیقی سے بے انتہا شغف تھا، اور اس نے اپنے دربار میں بڑے بڑے باکمال موسیقاروں کو جمع کر رکھا تھا۔

ابوالفضل نے آئین اکبری میں لکھا ہے کہ شہنشاہ اکبر موسیقی کے بے حد شیفتہ ہیں۔ میاں تان سین گوالیاری دربار اکبری کا سب سے بڑا گویا تھا۔ ایک اور گویا رام داس بھی دربار اکبری میں موجود تھا جو تان سین ثانی کہلاتا تھا۔ اور اس کو ایک موقع پر خان خاناں نے ایک لاکھ روپیہ انعام دیا تھا۔

عہد اکبری کے مشہور و مقبول گانے والوں میں شیخ منجو قوال مشہور ہیں۔ وضع صوفیانہ و درویشانہ رکھتے تھے۔ اکبر ان کے کمال فن اور ان کی خدا رسی کا بے حد معترف تھا۔ ایک دفعہ بادشاہ نے ایک حوض میں ٹکے بھروا کر کہہ دیا کہ جتنے لے جاسکو لے جاؤ۔ شیخ منجو نے صرف ایک ہزار ٹکے اٹھا کر لے گئے۔ زیادہ کی طمع نہیں کی۔

نور الدین محمد جہانگیر

۱۰۱۴-۱۰۳۷ ہجری - ۱۶۰۵-۱۶۲۸ عیسوی

نور الدین محمد جہانگیر شعر و سخن کا بڑا پاکیزہ مذاق رکھتا تھا۔ تاریخ اور مصوری سے بڑی دلچسپی تھی، فارسی زبان کا ماہر تھا۔ جہانگیر نے اپنے حالات خود لکھے جو "تزک جہانگیری" کے نام سے مشہور ہے اور بقول علامہ شبلی "اس کتاب کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ واقعات کو ایسے بے تکلف، برجستہ اور دل آویز طریقہ سے ادا کرتا ہے کہ بڑے بڑے انشا پرداز نہیں کر سکتے"

اگرچہ جہانگیر کی تعلیم و تربیت ہندوستان ہی میں ہوئی تھی، لیکن وہ فارسی کے علاوہ ترکی بھی خوب جانتا تھا۔ چنانچہ تزک بابری کا اصل نسخہ (ترکی) اس کے زیر مطالعہ رہتا تھا۔ یہ نسخہ بابر کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا۔ لیکن اس میں چار باب کم تھے۔ جہانگیر نے وہ چار باب نقل کر کے اس میں اضافہ کر دیئے اور اس پر زبان ترکی میں لکھ دیا کہ یہ باب میں نے نقل کر کے بڑھائے ہیں (واقعات جہانگیری)۔ اس نے محمد ہادی اور معتمد خاں کی مدد سے اپنی سوانح عمری تزک جہانگیری مرتب کی اور اس کے بعد اپنے کتب خانے کے منصبیوں کو حکم دیا کہ بہت سے نسخے تیار کریں۔ یہ نسخے حکام سرکاری اور ملک بھر کے معزز امرا کو تقسیم کئے۔ پہلا نسخہ شاہ جہاں کو عنایت ہوا۔ (منتخب اللباب خافی خاں)

جہانگیر نے اپنے عہد حکومت میں عربی مدارس کی طرف توجہ کی اور

تمام غیر آباد قدیم مدارس کو آباد کیا، اور انہیں طالب علموں سے بھر دیا۔
تاریخ جام جہاں میں تحریر ہے کہ جہانگیر نے پرانے مدرسے جو چڑیوں کے گھونسلے اور درندوں کے مان بن گئے تھے۔ نئے سرے سے آباد کئے۔

جہانگیر نے قانون بنایا تھا کہ جب کوئی مال دار رئیس یا تاجر بغیر کسی جانشین یا وارث کے مر جائے تو اس کی تمام جائداد بنام سلطنت منتقل ہو کر مدرسوں اور خانقاہوں پر صرف کی جائے۔

جہانگیر کے عہد میں فنون لطیفہ کی بڑی ترقی ہوئی۔

جہانگیر کو کتب بینی کا بھی شوق تھا سفر میں بھی اس کے ساتھ کتابیں ہوتیں۔ جب وہ گجرات گیا تو اس نے اپنے کتب خانے کی بعض کتابیں (تفسیر حسینی، تفسیر کشاف، روضۃ الاحباب وغیرہ) گجرات کے علمار کو نذر دیں۔ اس کے عہد میں شاہی کتب خانے کا مہتمم مکتوب خاں تھا۔

جہانگیر علم کا بڑا قدر داں تھا۔ اس کی علمی قدردانی کا اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس نے "یوسف زلیخا" کا ایک نسخہ بیس ہزار میں خریدا۔ حکیم مسیح الزماں کی ایک رباعی پر ایک ہزار مہر عطا کئے۔ ملک الشعرا طالب آملی کو صرف ایک مصرعہ پر پانچ ہزار روپے انعام دیئے۔ سعیدا ئے گیلانی زرگر باشی نے قصہ سلیمان و بلقیس لکھ کر جہانگیر کی خدمت میں پیش کیا، تو جہانگیر نے اس کو سونے میں تلوا کر سونا انعام دیا۔

جہانگیر کے دربار میں ایک شاعر حیاتی کاشی تھا۔ تغلق نامہ (امیر خسرو کی مثنوی) کے ابتدائی اوراق مفقود ہو گئے تھے۔ حیاتی نے بادشا:

کی فرمائش پر حمد و نعت اور مدحِ بادشاہ سے آغاز کتاب کی تکمیل کردی۔ جہانگیر بہت خوش ہوا۔ حیاتی کو زرِ سرخ و سپید میں تُلوا کر اور اور چھ ہزار اشرفی اور روپیہ عطا کیے۔[1]

جہانگیر کے قیام گجرات کے زمانہ میں ایک بزرگ سید محمد اس سے ملنے آئے۔ جہانگیر نے کچھ نذر پیش کرنی چاہی اور قسم دے کر کہا کہ جو جی چاہے بلا تکلف مانگئے۔ آپ نے کہا میں نے قسم کھائی ہے کہ میں قرآن پاک کا ایک نسخہ مانگوں گا جسے ہمیشہ اپنے پاس رکھوں گا تاکہ اس کی تلاوت کا ثواب بادشاہ کو ملتا رہے۔ جہانگیر نے یاقوت کا لکھا ہوا ایک قرآن پاک انہیں دیا اور قرآن کے فارسی ترجمہ کی فرمائش کی۔

میر عضد والدولہ میر جمال الدین حسن انجو نے ایک فرہنگ موسوم بہ "فرہنگ جہانگیری" تیار کی تھی۔

جہانگیر کو موسیقی سے کمال درجہ شغف تھا۔ اس زمانہ کے مشہور نغمہ سرا اور ساز بجانے والے استاد محمد نائی، چتر خاں پردیہ، داؤد ماکھو، حمزہ وغیرہ جہانگیر کے دربار میں تھے۔ ایک روز استاد نائی کے کام سے خوش ہو کر اس کو روپیہ میں تلوا یا تھا۔

فن مصوری سے جہانگیر کو عشق تھا۔ وہ خود لکھتا ہے کہ ذوق تصویر و مہارت تمیز کا یہ عالم تھا کہ گذشتہ و حال کے مصور استادوں کا جو کام

---

[1] اقبال نامہ جہانگیری ۳۱۰۔

Marfat.com

میرے سامنے آتا تھا، بغیر اس کے کہ مصور کا نام بتایا جائے، میں دیکھتے ہی بتا دیتا تھا کہ یہ کام فلاں مصور کا ہے۔

جہانگیر کو علم الحیوانات میں کمال تھا، نیچرل ہسٹری سے بڑی دلچسپی تھی۔ جانوروں اور نباتات کو غور سے دیکھتا تھا اور ان کے حالات کی تحقیق کیا کرتا تھا

محکمہ شکار کو حکم تھا کہ جو جانور شکار کئے جائیں اُن کی پوری تفصیل تحریر کی جائے اور محفوظ رکھی جائے۔ حکم تھا کہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر نایاب جانور شکار کئے جائیں اور ان کے متعلق صحیح معلومات فراہم کرکے محفوظ رکھی جائیں۔ جنگلی جانوروں کو پالنے اور سدھانے کا بھی شوق تھا۔

جہانگیر کے عہد میں آگرہ کو بڑا عروج حاصل ہوا۔ وہ اپنی تزک میں لکھتا ہے:۔

"آگرہ کی آبادی صناعوں اور طلبا علوم سے بھری ہوئی ہے۔ ہر مذہب و ملت کے علما اس شہر میں آباد ہیں"۔

جہانگیر کے دربار میں بڑے بڑے علما، فضلا و شعرا تھے۔ میران صدر جہاں پہانی، مولانا مرزا شکر اللہ شیرازی، مولانا نقیبا شوستری، مولینا مرزا محمد قاسم گیلانی، ملک الشعرا طالب آملی، حیات گیلانی، سعیدائے گیلانی زرگر باشی وغیرہ جہانگیر کے دربار کی زینت تھے۔

جہانگیر کے عہد حکومت میں سنسکرت اور ہندی کی سرپرستی ہوتی رہی۔ اس کے دربار میں بھٹا چاریہ، بنارسی، پھٹان مصر، جدوپ، جوتک رائے جوتشی کو بڑا اعزاز تھا۔ ایک دفعہ ایک پیشین گوئی کے

صلہ میں جہانگیر نے جوتک رائے کو سونے سے تولایا اور سونا اسی کو دیدیا۔ بشن داس مصور کی شاہی دربار میں بڑی عزت تھی۔ ایک ہندو شاعر کو ایک نظم پر ایک ہاتھی عنایت کیا۔

جہانگیر کے عہد حکومت میں جو بڑے بڑے علما درس و تدریس کے کام میں مصروف تھے، ان میں مرزا عنایت بیگ، ملا روزبہان شیرازی، ملا شکراللہ شیرازی، ملا تقی سوشتری، میر ابوالقاسم گیلانی، ملا باقر کشمیری، ملا مقصود علی، قاضی نوراللہ شوشتری، ملا فاضل کابلی، ملا عبدالحکیم سیالکوٹی، مطلب سلطان پوری، رحمان بجو رگجراتی، حسن فراغی گجراتی، حسین گجراتی، خواجہ عثمان حصاری، ملا محمد جونپوری خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

ابوالمظفر شہاب الدین محمد شاہ جہاں

۱۰۳۷ - ۱۰۶۹ ہجری - ۱۶۲۸ - ۱۶۵۹ عیسوی

شاہ جہاں کا دور حکومت شاندار عمارات کے لئے مشہور رہے لیکن اسے تعلیم سے بھی دلچسپی تھی۔ وقائع نگاروں کو ہدایت تھی کہ مدارس کے حالات سے بھی مطلع کرتے رہیں۔ جب کبھی کسی مدرسہ کو امداد کی ضرورت ہوتی یا کسی نئے مدرسے کے قائم ہونے کی خبر ملتی تو شاہی خزانہ سے کوئی رقم مقرر کر دی جاتی۔ شاہ جہاں کے عہد میں قدیم مدارس کامیابی کے ساتھ چلتے رہے اور نئے مدارس بھی قائم ہوئے۔ شاہ جہاں نے

Marfat.com

ایک مدرسہ دہلی کی جامع مسجد کے جنوبی رُخ پر "دارالبقا" کے نام سے قائم کیا۔ شاہ جہاں کو جون پور کی علمی مرکزیت پر بڑا فخر تھا، اور اسے "شیرازِ ہند" کا لقب دیا۔ اس کا حکم تھا کہ جون پور کے علما و طلبا کو برابر مالی امداد دی جاتی رہے۔ شاہ جہاں نے نومسلموں کی تعلیم کا خاص طور سے انتظام کیا تھا۔ ڈاکٹر بنارسی پرشاد سکسینہ اپنی کتاب "ہسٹری آف شاہ جہاں آف دہلی" میں لکھتے ہیں کہ "ہر گاؤں اور ہر قصبہ میں مدرسے تھے۔ عام طور پر علما و صلحا ہی مدارس میں کوئی اجرت لئے بغیر تعلیم دیا کرتے تھے۔"

شاہ جہاں کو تاریخ سے بہت شغف تھا۔ اس کی فرمائش پر محمد امین قزوینی، عبدالحمید لاہوری اور محمد وارث تینوں نے علیحدہ علیحدہ "بادشاہ نامہ" لکھے۔ مرزا جلال الدین طباطبائی نے "شاہ جہاں نامہ" لکھا۔ راجہ بہاری مل کا نام بھی قابل ذکر ہے۔

شاہ جہاں کو بھی مصوّری سے ذوق تھا۔ فن خطاطی کو بھی اس عہد میں ترقی دی گئی۔ خود شاہ جہاں خط نستعلیق کا ماہر تھا۔

شاہ جہاں کے دربار میں بھی شعرا کی تعداد بہ کثرت رہی۔ بلکہ اپنی فیاضی اور قدردانی میں اکبر اور جہانگیر دونوں سے بازی لے گیا۔ اس نے شعرا و فضلا کے ساتھ جو داد و دہش اور انعام و اکرام کا ثبوت دیا۔ اس کی زریں مثال شاید ہی کسی حکمراں خاندان میں پائی جا سکے گی۔[1]

---

[1] بزم تیموریہ

Marfat.com

سعد اللہ خان فارسی کے ایک قصیدہ پر شاہجہاں نے اس کے منہ کو سات بار جواہرات سے بھرا۔ دوسری بار ایک قصیدہ پر انعام میں اس کو روپے سے تلوایا۔ ابو طالب کلیم ملک الشعراء کو ایک قصیدہ پر روپے کے برابر تلوا کر انعام دیا۔ قاری شیخ ابوالمعالی کو قرآن پاک کی چند آیت سنانے پر اودھ کا ایک گاؤں جاگیر میں عطا کیا۔ ملا عبدالحکیم کو دو بار زر کے ساتھ تولایا، اور ہم وزن رقم عطا کی، اور سیالکوٹ میں سوا لاکھ روپئے کی جاگیر انعام میں دی۔

لغت میں چار کتابیں شاہجہاں کے نام سے معنون ہوئیں۔ ان کے نام یہ ہیں:۔ فرہنگ رشیدی، منتخب اللغات شاہجہانی، چہار عنصر دانش، شاہد صادق۔

مسٹر کین اپنی مشہور کتاب "مغل امپائر" میں لکھتا ہے:۔

"تعلیم کی طرف رغبت ہونے اور اسے عام پسند بنانے کی خاطر بادشاہ نے طلبار کے لئے ایک آنہ سے لیکر آٹھ آنے روز تک وظیفہ مقرر کر دیا تھا۔"

محمد فیض بخش اپنی تاریخ "فرح بخش" میں لکھتا ہے:۔

"عربی و فارسی تعلیم کے ساتھ ملکی علوم و زبان کی تعلیم کا رواج بھی اسی شہنشاہ کے زمانہ سے پڑا۔"

اکبر و جہانگیر کی طرح شاہجہاں بھی ہندو اہل کمال کی برابر سرپرستی کرتا رہا۔ ۱۰۶۱ھ میں ایک ہندی شاعر نے اس کے نام پر ایک کبت

کہی تو اس کو دو ہزار روپے اور ایک ہاتھی مرحمت کیا۔ ہندی شعراء میں سُندر اس کے دربار کا ملک الشعراء تھا۔ اس کی تصانیف سُندر سنگار اور سنگھاسن بتیسی برج بھاشا میں مشہور ہیں۔ ہندی کے مشہور شعراء چنتامنی اور راجہ شمبھو ناتھ سنگھ بھی اس کے دربار سے منسلک ہیں۔ چنتامنی سہتا یعنی ترکیب نظم کا استاد تھا۔ راجہ شمبھو ناتھ نے شاہ جہاں کی فرمائش پر کوندا کلپ لتا لکھی۔ ؎

شاہ جہانی عہد کا سب سے ممتاز شاعر اور ادیب چندر بھان برہمن تھا۔ (بزم تیموریہ ص ۲۰۸)

بہاری لال چوبے اور منی رام نر بھائی کو بھی بڑا اعزاز حاصل تھا۔ مشہور ہے کہ ودانند رائے شاعر نے شاہ جہاں کی فرمائش پر ایک کتاب لکھی، جس میں ہندی سمبت اور قمری مہینوں کے اعداد و شمار لکھتے ہیں۔

سرناتھ نامی ایک ہندو فاضل "مہا پاتر" کے لقب سے ملقب تھا۔ جگناتھ خطاب "مہا کب رائے" (ملک الشعراء) سے ممتاز تھا۔ شاہ جہاں اس کی اتنی قدر کرتا تھا کہ اسے روپیوں سے تلوایا اور روپے انعام میں دیئے۔

شاہ جہاں کی سرپرستی میں اپنیشد بھگوت گیتا اور یوگا وسستا کا فارسی جامہ پہنایا گیا۔

؎ بزم تیموریہ ص ۲۱۱

Marfat.com

شاہ جہاں کے عہد میں شاہی کتب خانے میں تاریخی کتابوں کا اضافہ ہوا۔

ابوالمظفر محی الدین محمد اورنگ زیب عالمگیرؒ

۱۰۶۹ - ۱۱۱۹ ہجری - ۱۶۵۹ - ۱۷۰۷ عیسوی

اورنگ زیب عالمگیر کو علوم دینیہ سے انتہائی رغبت تھی تفسیر حدیث اور فقہ کا وہ بڑا عالم تھا۔ بادشاہ ہونے کے بعد قرآن پاک حفظ کیا۔ سرجدوناتھ سرکار کے بیان کے مطابق عربی اور فارسی میں ایک فاضل محقق کی طرح بولتا اور لکھتا تھا۔ فن خطاطی اور فن انشا میں بڑی مہارت تھی۔ بادشاہی کے زمانے میں اپنے قلم سے قرآن مجید لکھا کرتا تھا اورنگ زیب کے انشا اور خط کے متعلق مقدمہ عالمگیر ص۴۷ تا ص۵۰ میں بہت سی شہادتیں جمع کی گئی ہیں۔ اس کے لکھے ہوئے قرآن پاک کے چھ نسخوں اور ایک پنجسورہ کے پتے بتلائے گئے ہیں، جو مختلف کتب خانوں میں موجود ہیں۔ اس کے بعد تحریر ہے کہ یہ واقعہ عجائب عالم میں شمار ہوگا کہ اورنگ زیب جس کلام مجید میں تلاوت کیا کرتا تھا، وہ اس وقت کولمبیا یونیورسٹی (امریکہ) کی ملکیت ہے۔

اورنگ زیب تعلیم عامہ کا بڑا شائق تھا، علوم و فنون کا سرپرست اور اہل علم کا قدرداں تھا۔ اس کے عہد میں مذہبی تعلیمات کی بہت ترقی ہوئی۔ اس نے ہر شہر اور ہر قصبہ کے علما، اور معلمین کے لئے کثرت سے وظائف مقرر کیے۔ نیز ہر جگہ طلبا کے لئے وظائف مقرر کئے۔ مکرمت خاں۔

Marfat.com

دیوان صوبہ گجرات کو ایک فرمان بھیجا تھا کہ تمام مملکت میں علما اور مدرسین مقرر کیے جائیں، اور طلبار کو میزان سے لے کر کشاف تک تعلیم دی جائے اور سرکاری خزانہ سے طلبار کو وظیفے دیئے جائیں۔ بقول مسٹر کین اورنگزیب نے اپنے حدود مملکت میں بے شمار مدارس اور مکاتب قائم کیے تھے۔ اورنگ زیب کے دورِ حکومت میں ہندوستان کی تعلیمی حالت کے متعلق کپتان الگزنڈر ہملٹن اپنے سفرنامے میں لکھتا ہے کہ "شہر ٹھٹھہ (سندھ) علوم فقہ، فلسفہ و سیاست کے لئے مشہور ہے۔ ان علوم میں لڑکوں کو تعلیم دینے کے لئے تقریباً چار سو کالج یہاں ہیں۔"

اورنگ زیب کے زمانہ میں سیالکوٹ کو علمی مرکزیت حاصل تھی۔ یہاں بڑے بڑے علما و فضلا تھے۔ ایک عظیم الشان دارالعلوم تھا۔ گجرات کو بھی علمی حیثیت سے شہرت تھی۔ اُسے اورنگ زیب زیب و زینتِ ہندوستان کہا کرتا تھا۔ گجرات کے بوہروں کی تعلیم کے لئے اورنگ زیب نے بڑی کوشش کی۔

اورنگ زیب نے تصنیف و تالیف کا ایک شعبہ قائم کیا تھا۔ جس میں علما و فضلا جمع تھے اور کارآمد کتابیں تصنیف و تالیف ہوتی تھیں۔ اس شعبہ کی بہترین یادگار "فتاویٰ عالمگیر" ہے۔ علما و فضلا کا ایک گروہ جو پایۂ تخت میں موجود تھا، اس کام میں مشغول ہوا، اور ہندوستان کے اطراف میں جو شخص علم فقہ میں شہرت اور کمال رکھتا تھا، شاہی فرمان کے ذریعہ سے طلب کر کے ان کا شریک کار بنایا گیا، اور تمام علما و فضلا معقول وظیفہ کے ساتھ اس کام میں مشغول رہے۔ تمام علما کے گروہ کی صدارت

Marfat.com

شیخ نظام برہان پوری کو تفویض ہوئی تھی۔ آٹھ سال کی مدت میں یہ کتاب تیار ہوئی۔ اس کی تیاری میں دو لاکھ روپئے صرف ہوئے[1]

اورنگ زیب عالمگیر کی نگرانی میں جو کتابیں یہاں تیار ہوتی تھیں، وہ چند ہی سال کے عرصہ میں وسط ایشیا کی تمام درسگاہوں میں پہنچ جاتی تھیں[2]۔

اورنگ زیب نے شاعری کا منصب تو ختم کر دیا تھا، لیکن دربار میں شعراء کی بڑی تعداد موجود تھی۔ ان میں نعمت خاں عالی، عاقل خاں رازی، ملا محمد سعید اشرف، روشن ضمیر خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

عالمگیر اورنگ زیب کو متعصب مؤرخین نے بدنام کر رکھا ہے، لیکن وہ ہندو باکمالوں کی بھی سرپرستی کرتا تھا۔ ہسٹری آف ہندی لٹریچر (مصنفہ کے) میں لکھا ہے کہ سخت گیر اورنگ زیب ہندوؤں کے فنون و علوم کا دلدادہ نہ تھا۔ لیکن ہندی کے ہندو شعراء دربار کی اعانت اور سرپرستی سے قطعاً محروم نہیں رہے۔ علامہ شبلی رح کے الفاظ میں عام خیال یہ ہے کہ ہندوؤں کے علوم اور زبان سے نہایت نفرت رکھتا تھا، لیکن مسلمانوں نے بھاشا زبان میں جس قدر اس کے زمانہ میں توجہ کی، پہلے نہیں کی۔

بیر داس، چنتامنی، دامن کھتری، رائے بندرابن جس نے لب التواریخ ہند لکھی اور عالمگیر کے نام معنون کی۔ ایسر داس جس نے فتوحات عالمگیری لکھی، بھیم سین کایستھ جس نے نسخۂ دل کشا کے نام سے عہد عالمگیر کی ایک تاریخ لکھی، سوجان رائے کھتری جس نے خلاصۃ التواریخ

---

[1] بزم تیموریہ [2] ہندوستان کی تعلیم . . . . .

کے نام سے ایک پُر از معلومات تاریخ لکھی اور عالمگیر کے نام سے معنون کی۔ عالمگیر کے دربار میں تھے۔[1]

قطب الدّین شاہ عالم بہادر شاہ

۱۱۱۹ - ۱۱۲۴ ہجری - ۱۷۰۷ - ۱۲ - ۱۷ عیسوی

شاہ عالم بہادر شاہ حافظ قرآن تھا۔ علم حدیث سے بڑی دل چسپی تھی۔ علمائے حدیث اس کو سردار محدثین کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ عربی و فارسی کا ماہر تھا، اور بلند پایہ شاعر تھا۔ نیز بہت اچھا خطاط تھا۔ نعمت خاں عالی کو بہادر شاہ نے "دانش مند خاں" کا خطاب عطا فرمایا تھا۔ اس نے ایک منظوم تاریخ "بہادر شاہ نامہ" لکھنا شروع کیا تھا جو مکمل نہ ہو سکی۔ مرزا سید حسین خالص، قزل باش خاں امید، بندرابن داس (مصنف لب التواریخ) جگ جیون داس وغیرہ، بہادر شاہ کے عہد میں تھے۔ جگ جیون نے ۱۱۲۰ھ میں منتخب التواریخ لکھ کر بارگاہ شاہی میں پیش کی، جس کے صلہ میں خطاب و خلعت اور انعام سے سرفراز ہوا۔

دہلی میں ایک مدرسہ قائم ہوا جس کے تمام اخراجات شاہی خزانے سے پورے کئے جاتے تھے۔

---

[1] بزم تیموریہ عہد اسلامی کا ہندوستان۔

Marfat.com

معین الدین محمد فرخ سیر

۱۱۲۴ - ۱۱۳۱ ہجری - ۱۷۱۲ - ۱۷۱۹ عیسوی

فرخ سیر حافظ قرآن تھا۔ اُسے شاعری کا بھی ذوق تھا۔ مغل دربار میں اب وہ پہلی پہل باقی نہ رہی تھی۔ اس عہد میں نظام الملک آصف جاہ بڑا علم دوست اور بلند پایہ شاعر تھا۔ بیدل عظیم آبادی فارسی کا مایۂ ناز شاعر اسی کے عہد میں تھا۔

ناصر الدین محمد شاہ

۱۱۳۱ - ۱۱۶۱ ہجری - ۱۷۱۹ - ۱۷۴۸ عیسوی

مغل دربار کی وہ رونق ختم ہوگئی تھی لیکن پھر بھی محمد شاہ کے دور میں اہل کمال جمع تھے۔ فارسی کا اثر بہت کم ہوگیا تھا، اس کی جگہ اُردو نے لی تھی۔

محمد شاہ نے فارسی زبان کے بجائے اُردو میں اپنے علمی ذوق کا اظہار کیا۔ بارہ ماسہ اور رنگیلا کہانی دو تصنیفیں اس کے نام سے منسوب ہیں[1]

محمد شاہ کا علمی کارنامہ علم ہیئت سے متعلق تھا، یہ کارنامہ اس کے

---

[1] بزم تیموریہ۔

Marfat.com

درباری ہندو مہاراجہ جے سنگھ کچھواہا کے حسن ذوق اور مساعی جمیلہ سے تکمیل کو پہنچا۔ محمد شاہ کے حکم سے جے سنگھ نے جے پور، اجین، متھرا، بنارس اور دلی میں رصدگاہیں تعمیر کیں تاکہ علم ہئیت کو ترویج ہو۔ دلی کی رصدگاہ فصیل کے باہر "جنتر منتر" کے نام سے مشہور ہے۔ اسی رصدگاہ کے ماتحت مرزا خیر اللہ اور شیخ محمد محدث نے جے سنگھ کے زیر نگرانی "زیج محمد شاہی" مرتب کی جس کی صحت ۱۱۴۷ھ میں دو سیاروں کے قران کے وقت پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی۔[1] اس سلسلہ میں راجہ مذکور نے مزید قابل قدر خدمت یہ انجام دی کہ عربی زبان کی مستند علم ہئیت کی کتابوں کا ہندی ترجمہ کرایا، اور اس پر ہزاروں روپے صرف کئے۔[2]

محمد شاہ کا عہد اس لحاظ سے نہایت ممتاز تھا کہ اس میں بڑے بڑے ارباب فضل و کمال جمع ہو گئے تھے۔

خان عالیشان جعفر علی خاں نے محمد شاہ کی فرمائش پر "مثنوی حقہ" لکھنی شروع کی لیکن نامکمل رہ گئی جس کو میاں حاتم نے پورا کیا۔[3]

ولی اللہ کالج سلطان محمد شاہ نے امام ولی اللہ کو بلا کر شہر میں ایک عالی شان مکان دے کر دارالحدیث کا اس میں افتتاح کرایا۔ یہ مدرسہ کسی زمانے میں نہایت عالی شان اور خوبصورت تھا اور بڑا دارالعلوم سمجھا جاتا تھا۔[4]

---

[1] ثقافت۔ [2] علامہ سید سلیمان ندوی کا مضمون [3] بزم تیموریہ۔
[4] شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک۔

Marfat.com

جلال الدین شاہ عالم ثانی

۱۱۷۳ - ۱۲۲۱ ہجری - ۱۷۵۷ - ۱۸۰۶ عیسوی

شاہ عالم ثانی کو شاعری سے دلچسپی تھی۔ سخن گوئی میں کافی مہارت رکھتا تھا۔ فارسی اور اردو دونوں ہی میں شاعری کرتا۔ ہندی زبان سے بھی دلچسپی تھی۔ "نادرات شاہی" کے نام سے شاہ عالم کے ہندی کلام کا مجموعہ شائع ہو چکا ہے۔ محمد حسین آزاد لکھتے ہیں کہ وہ بڑا مشاق شاعر تھا جس کے چار دیوان اردو میں موجود ہیں (آب حیات)۔ مولوی ذکاء اللہ کا بیان ہے کہ شاہ عالم نے نثر میں چار جلدوں میں ایک قصہ بھی لکھا ہے جس سے ہر زمانہ کے ادنیٰ، متوسط اور اعلیٰ آدمیوں کا طرز معاشرت معلوم ہوتا ہے۔ اس کا نام "شاہ عالم کا قصہ" ہے۔ (تاریخ ہند) شاہ عالم نے اپنے عہد کے تمام ممتاز شعراء، مثلاً سودا، میر درد، نصیر، انشاء، زار، ممنون، احسان، قاسم اور فراق سے کچھ نہ کچھ ضرور واسطہ رکھا۔ جہاں دہلی کے تمام شعراء جمع ہو کر اپنی جولانی طبع دکھاتے تھے وہاں شاہ عالم اپنی غزلیں بھیجتا تھا۔[۱]

۱؎ بزم تیموریہ

Marfat.com

سراج الدین ابوظفر بہادر شاہ

۱۲۵۳ - ۱۲۷۵ ہجری - ۱۸۳۷ - ۱۸۵۷ عیسوی

ظفر برائے نام بادشاہ تھا - اس کی حیثیت ایک وظیفہ خوار کی تھی - اور قلعہ معلےٰ کے باہر کوئی اثر نہیں تھا لیکن وہ شعر و شاعری کا بادشاہ تھا اور صاحب دیوان - ظفر کا عہد اردو شاعری کے لیے ممتاز تھا - استاد ذوق اور مرزا غالب اسی کے دربار سے وابستہ تھے۔

بہادر شاہ نے سعدیؒ کی گلستاں کی شرح صوفیانہ نقطۂ نظر سے خود لکھی اور اشعار و اذکار میں ایک کتاب سراج المعرفت کے نام مفتی میرلال سے لکھوائی - بہادر شاہ کی ایک تالیف موسوم بہ "لغت و اصطلاح دکن" تین جلدوں میں ہے لیکن یہ مفقود ہے - ظفر کا دیوان چار جلدوں میں شائع ہوا ہے جس میں ہر قسم کے تیس ہزار سے زیادہ اشعار ہیں [1]

بہادر شاہ کو انگریزوں نے غدر ۱۸۵۷ء کے بعد رنگون جلا وطن کر دیا اور ہندوستان میں مغلیہ خاندان کا خاتمہ ہو گیا -

---

[1] بزم تیموریہ

Marfat.com

ہندوستان کی خودمختار اسلامی حکومتیں

دہلی کی مرکزی مسلم حکومت کمزور ہوجاتی تو اکثر صوبوں کے گورنر مرکزی حکومت سے علیحدہ ہوکر خودمختاری کا اعلان کر دیا کرتے۔ ہندوستان میں متعدد خودمختار اسلامی سلطنتیں قائم ہوئیں۔ وسط ہند میں سلطنت بنگال، سلطنت جون پور، سلطنت مالوہ، سلطنت گجرات، سلطنت خاندیس اور سلطنت کشمیر کو ہندوستان کی اسلامی تاریخ میں امتیازی حیثیت حاصل ہے۔ جنوبی ہند (دکن) میں جو خودمختار اسلامی سلطنتیں قائم ہوئیں، ان میں حکومت بہمنی کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔

ان خودمختار اسلامی حکومتوں نے بھی دہلی کی مرکزی سلطنت سے علیحدہ ہوکر علوم و فنون کی بڑی بڑی خدمتیں انجام دیں، بلکہ بعض خودمختار سلطنتیں تو اُس وقت کی مرکزی سلطنت سے شان و شوکت میں کہیں زیادہ بڑھی ہوئی تھیں۔ یہ سلطنتیں بھی علم و ادب کی سرپرست اور اہلِ علم و فن کی قدردان، شعرا اور ادیبوں کی مربی و محسن رہی ہیں۔ اس دور میں علم و ادب کی بڑی ترقی ہوئی، اور صدہا کتابیں تصنیف و تالیف ہوئیں۔

Marfat.com

گورنران و شاہان بنگال

۷۹۹ - ۹۸۴ ہجری - ۱۲۰۲ - ۱۵۷۶ عیسوی

بنگال کی خود مختار اسلامی سلطنت مرکزی سلطنت سے بہت دور تھی، لیکن وسعت اور دولت مندی میں بڑھی ہوئی تھی۔

شاہان بنگال نے علوم و فنون کی بڑی خدمتیں انجام دیں۔ کثرت سے مدارس قائم کئے۔ تعلیمی ضروریات کے لئے بڑی بڑی جاگیریں وقف تھیں۔ اسلامی سلطنت کے بعد انگریزوں نے اوقاف کو ضبط کر لیئے، جن پر مسلمانوں کی تعلیم منحصر تھی، اور بقول سر ولیم ہنٹر مسلمانوں کا تعلیمی نظام جس کا دارومدار ان ہی معافیات پر تھا، بالکل تباہ و برباد ہو گیا۔ مسلمانوں کے تعلیمی ادارے اٹھارہ سال کی مسلسل لوٹ کھسوٹ کے بعد یک قلم مٹ گئے۔

مسلمانوں کے عہد حکومت میں اگر عربی اور فارسی کی قدر دانی ہوئی تو وہیں بنگلہ زبان کو بڑی ترقی ہوئی۔ بہت سی سنسکرت کتابوں کے ترجمے بنگلہ زبان میں کئے گئے۔ نیز فارسی کتابیں بھی بنگلہ قالب میں ڈھالی گئیں۔

اہل بنگال کو مسلمانوں بادشاہوں اور امراء کا احسان مند ہونا چاہیئے۔ کہ ان ہی کی کوشش سے ان کی زبان ایک ادبی زبان بن گئی چنانچہ بنگال کا مشہور اہل قلم مسٹر نریندر ناتھ لا اپنی کتاب "پراموشن

Marfat.com

آف لرننگ ان انڈیا ڈیورنگ محمڈن رول" میں لکھتا ہے :۔

"شاہانِ بنگال کی کوششیں صرف مسلمانوں کے علوم کی سرپرستی تک ہی محدود نہ تھیں، کیونکہ انہوں نے اپنی مربیانہ نگہداشت کو ادب کی ایسی ترقی پر بھی مرکوز کر دیا تھا، جو بنگالی زبان بولنے والوں کی دلچسپی کا باعث ہے۔ بنگالیوں کو یہ بات عجیب معلوم ہوگی کہ ان کی زبان ایک ادبی زبان کے مرتبے پر پہنچنے کے لئے ان کی کوشش سے نہیں ہوئی، بلکہ یہ درجہ اسے مسلمانوں کی بدولت نصیب ہوا۔ بنگال کے مسلمان حکمرانوں کی توجہ سے سب سے پہلے دو رزمیہ نظموں یعنی رامائن اور مہابھارت نے اپنی طرف منعطف کی، جن کے ایما سے وہ بنگالی زبان میں ترجمہ کی گئیں، جو کہ گھریلو زبان تھی۔"

ڈاکٹر تارا چند لکھتے ہیں :۔

"مسلمانوں کی فتح نے بنگال میں پرانوں کے ہندو مذہب کی ترقی کو روک کر قدیم مظلوم اور خوف زدہ فرقوں کو دوبارہ زندگی بخشی، اصلاحی تحریک کو مہمیز کیا اور بنگالی ادب کی ہمت افزائی کی۔ دنیش چندر اسین اپنی مشہور کتاب "بنگالی ادب کی تاریخ" میں لکھتا ہے ۔

"بنگالی ادب کی ترقی میں متعدد مؤثرات نے کام کیا ہے۔ مسلمانوں کی فتوحات، بے شک و شبہہ طاقتور

Marfat.com

مؤثرات میں شمار کیے جانے کے مستحق ہیں۔" اگر ہندو راجہ برسرِاقتدار رہتے تو بنگالی زبان مشکل سے دربار میں رسائی پاسکتی .... اس قسم کے ادب کی متعدد مثالیں ملتی ہیں، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مسلمان بادشاہوں اور امرا نے سنسکرت اور فارسی کتابوں کے بنگالی تراجم کی ہمت افزائی کی ہے۔ اس واقعہ سے ہم کو اس بات کے یقین کرنے میں مدد ملتی ہے کہ جب مسلمان بادشاہوں نے بنگالی زبان کو دربارِ شاہی میں رسائی کی عزت بخشی تو ہندو راجاؤں نے بھی اس کا اتباع کیا۔"

بنگال کا ایک اہلِ قلم راج کمار سنہا لکھتا ہے:۔

بنگلہ زبان کی مشہور کتاب "کرتی واس کی رامائن" جس کا بنگال میں وہی درجہ ہے جو مشرقی ہندوستان میں "تلسی داس کی رامائن" کا ہے۔ اس کا وجود مسلمانوں ہی کا مرہونِ منّت ہے۔ یہی سبب ہے کہ ہندی کے مشہور شاعر "ودیاپتی" نے اپنے متعدد گیتوں میں ان مسلم فرزندانِ بنگال کی خدمت میں عقیدت کے پھول چڑھائے ہیں۔"

بختیار خلجی محمد بختیار خلجی نے سب سے پہلے بنگالہ پر قبضہ کیا، اور بنگالہ کی سرحد پر بجائے شہر ندیا کے ایک نیا شہر آباد کیا اور اس کا نام رنگ پور رکھا۔ اس شہر میں بختیار خلجی نے مساجد، خانقاہیں اور مدارس تعمیر کرائے۔

Marfat.com

ملک الیاس نے سنہ ۷۴۲ھ (۱۳۴۰ء) میں سلطان شمس الدین کا لقب اختیار کر کے اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔

حاکم صوبہ غیاث الدین (۱۲۱۲-۲۷)

غیاث الدین کے عہد میں بنگال میں علوم و فنون کی بڑی ترویج و اشاعت ہوئی۔ اس نے لکھنوتی میں ایک عظیم الشان مسجد، ایک مدرسہ اور ایک کاروان سرائے تعمیر کی۔ وہ علم و ادب کا سرپرست تھا اور علماء و فضلاء کو گراں قدر وظائف دیتا تھا۔

غیاث الدین کو حافظ شیرازی رح نے اپنی مشہور غزل بھیجی تھی جس کا ایک شعر تھا۔

شکر شکن شوند ہمہ طوطیان ہند

زیں قند پارسی کہ بہ بنگالہ می رود

اور جس کا مقطع تھا۔

حافظ ز شوق مجلس سلطان غیاث دیں

غافل مشو کہ کار تو از نالہ می رود

غیاث الدین ثانی ۱۳۶۷-۷۳ خود شاعر تھا۔ علم و ادب کا سرپرست تھا اور علماء اور فضلاء کو گرانقدر وظائف دیتا تھا۔ اس نے "درس باری" کے نام سے ایک مدرسہ قائم کیا تھا، اور بنگلہ زبان کی بڑی خدمت و سرپرستی کی۔ اس کے عہد میں بنگال نے بڑی رونق پائی اور لکھنوتی علم و فن کا مرکز بن گیا۔

Marfat.com

ناصر شاہ (۱۲۸۲ - ۱۳۲۵ء) کو بنگلہ زبان سے بڑی دلچسپی تھی۔ اس نے اس زبان کی بڑی سرپرستی کی۔ نریندر ا ناتھ لکھتا ہے کہ مہابھارت کا سب سے پہلا ترجمہ ناصر شاہ کے حکم سے ہوا تھا۔ جو صوبے کی زبان کا بہت بڑا مربی تھا اور اس کی تعریف اپنے ایک گیت میں کرکے شاعر اعظم ودیاپتی نے جسے لازوال بنادیا.....

یہ امر محقق نہیں ہے کہ آیا بنگال کے کسی مسلم حکمراں نے یا ہندو راجہ کنس نرائن نے کیرتی بس کو رامائن کا ترجمہ کرنے پر مامور کیا۔ اگر یوں بھی ہو کہ راجہ کنس نرائن ہی نے یہ ترجمہ کرایا تھا، تب بھی اس میں شک وشبہہ کی گنجائش ہی نہیں ہے کہ مسلمان حکمراں کی مثال نے راجہ کو اس کام پر ابھارا۔" [1]

حسین شاہ ۱۴۹۳ - ۱۵۱۸ء بنگلہ زبان کی الفت اور سرپرستی کے لئے مشہور تھا۔ وہ خود بھی اس زبان کا ادیب تھا، اور بنگلہ زبان میں اس کا پایہ بلند سمجھا جاتا ہے۔ ہندوؤں کے ساتھ حسین شاہ کا جو روادارانہ اور دوستانہ برتاؤ تھا۔ اس بنا پر عوام نے اسے "گن راج نماں" کا خطاب دیا تھا [2]

حسین شاہ نے بنگلہ زبان کی بڑی توسیع وترقی دی اور بہت سے مدرسے قائم کئے۔ اس نے ملدھر باسو کو بھگوت پوران کا بنگلہ زبان

---

[1] پروموشن آف سرنگ۔ [2] راج کمار سنہا

میں ترجمہ کرنے پر مقرر کیا۔ حسین شاہ کی فوج ایک جرنیل پراگل خاں اور اس کے لڑکے چھٹی خاں نے مہابھارت کے ایک حصّہ کا ترجمہ کرا کر اپنے ناموں کو زندہ جاوید کیا۔[1]

حضرت قطب العالم کی یادگار کے طور پر ایک مدرسہ اور شفا خانہ بھی تعمیر کرایا۔ گوڑ میں ساگر ڈیگی کا شمالی کنارے پر ایک بہت بڑی چوکور عمارت کے کھنڈر ہیں۔ یہ بھی ایک مدرسہ تھا جو حسین شاہ نے بنایا تھا۔ ایونشا نے اپنی کتاب گوڑ میں لکھا ہے کہ یہ مدرسہ بہت بڑا اسنگ مرمر اور سنگ خارا کا بنا ہوا تھا، اور گوڑ کے دوسرے مدرسوں سے نوعیت میں مختلف تھا۔ الٰہی بخش حسینی نے اپنی کتاب "خورشید جہاں کا" میں بتایا گیا ہے، کہ ریاض السلاطین کے مشہور مصنف غلام حسین کے مکان کے پڑوس میں گوڑ کے محلے کے اندر ایک بڑا مدرسہ قائم تھا۔ اس کا کتبہ مظہر ہے کہ اس کا بانی بھی حسین شاہ ہی تھا۔[2]

داؤد شاہ بنگال کا آخری بادشاہ تھا۔ اس کے حکم سے

احمد یادگار نے تاریخ سلاطین افغانیہ ۱۵۷۵ء کے قریب لکھی۔

بنگال میں انگریزوں کے ورود کے بعد علما و فضلا کی سرپرستی اور علوم و فنون کی خدمت کا وہ دور جو صدہا سال سے چلا آتا تھا ختم ہوگیا اور ہندوؤں اور مسلمانوں نے فارسی و عربی کی تعلیم چھوڑ کر انگریزی اختیار کرلی۔

---

[1] زبیندرا ناتھ لا۔ [2] مولانا عبدالمجید سالک۔

شرقی سلاطین جون پور

۷۹۶ - ۸۸۱ ہجری - ۱۳۹۴-۱۴۷۶ عیسوی

جون پور کی خود مختار اسلامی حکومت کا بانی خواجہ جہاں تھا۔ اس نے ۷۹۶ھ (۱۳۹۴ء) میں اپنی خود مختاری کا اعلان کیا۔

اسلامی عہد حکومت میں جونپور علم و فن کا مرکز تھا اور علمی و تعلیمی گرم بازاری کے باعث "شیراز ہند" کے لقب سے مشہور رہا۔ اس شہر میں بڑے بڑے دارالعلوم تھے۔

صدہا علماء اور مشائخ کو یہاں جاگیریں دیے گئے تھے کہ وہ اور اُن کے شاگرد اطمینان سے وہاں رہ کر علمی مشاغل میں زندگی بسر کریں۔ اہل علم کی یہی تو آبادیاں تھیں کہ شاہ جہاں جیسا عالی نظر بادشاہ فخریہ کہتا ہے کہ "پورب شیراز ماست" انگریزوں کے دور تک سلطنت شرقی کے یہ اسلامی قصبات مردم خیزی اور علمی مذاق میں نمایاں رکھتے تھے۔[1]

ملا محمد اصفہانی صاحب سیر الملوک کا بیان ہے کہ یہاں صدہا مدارس اور مسجدیں تعمیر ہوئیں اور علماء و فضلا دور دراز ملکوں سے

---

[1] مسلمانان پاکستان اور بھارت کی تاریخ

Marfat.com

آئے، جن کے لئے وظیفے اور جاگیریں مقرر ہوئیں۔ جون پور کی تعلیمی برتری مغلوں کے شباب کے زمانہ تک قائم رہی۔ [1]

"تذکرۃ العلماء" اور "سیر الملوک" میں اس "شہر علوم" کی بعض تفصیلات لکھی ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ جون پور میں آغاز آبادی سے ہندستان کے اکثر حصوں خصوصاً اودھ اور الہ آباد کے صوبوں سے لوگ جوق در جوق حصول تعلیم کے لئے جمع ہوتے تھے؛ اور سلطان ابراہیم شرقی کے عہد میں تو یہاں سیکڑوں مدرسے اور مسجدیں قائم تھیں جن کے معلّمین اور متعلّمین کے لئے التمغا ہیں اور جاگیریں وقف کی گئی تھیں تاکہ وہ معاش کی طرف سے بے فکر ہو کر خدمت علم میں مصروف رہیں۔ ہمایوں سے لے کر شاہ جہاں کے وقت تک جون پور برابر مرکز علم بنا رہا۔ محمد شاہ کے زمانے تک شاہان دہلی کا یہ معمول رہا کہ وہ ہمیشہ حاکمان جون پور کو فرمان بھیجتے رہتے کہ شہر میں جمع ہونے والے معلّمین و متعلّمین کی خدمت سے غافل نہ ہوں۔ [2]

ابراہیم شرقی ابراہیم شرقی علم و فضل کا بہت بڑا سرپرست تھا اور اس کے عہد میں علم و ادب کی بڑی ترقی ہوئی۔ بہت سے مصنّفین نے اپنی کتابوں کو ابراہیم کے نام سے معنون کیا۔ اس کے زمانہ میں جون پور دہلیِ ثانی سمجھا جاتا تھا۔ جہاں ہر وقت علماء و فضلا اور ارباب علم کا ہجوم رہتا تھا۔ شہاب الدین دولت آبادی

---

[1] جون پور نامہ [2] مولانا عبدالمجید ثقافت بابت ستمبر ۱۹۵۵ء

جو اس دور کے زبردست عالم تھے، ابراہیم نے "قاضی القضاۃ" بنایا اور "ملک العلماء" کا خطاب دیا تھا، انہوں نے "فتاوائے ابراہیم شاہی" کے نام سے بہت سے فتوے جمع کئے۔

ابراہیم شاہ کے عہد میں ہندوستان کے فضلاء کے علاوہ ایران و توران کے اہل کمال بھی آشوب جہاں سے پریشان ہو کر "دارالامان" جونپور میں آئے اور اس کے خوان احسان سے متمتع ہوئے۔ علماء اور اہل کمال نے اس بادشاہ کے نام سے متعدد کتابیں معنون کیں اور صاحب تحصیل و دانش وزراء اور امراء کا اس دربار میں ایسا مجمع ہوا کہ سلاطین ایران کی بارگاہ کا نمونہ بن گیا۔

ہندوستان کے تمام اطراف سے غدر اور طائف الملوکی کی وجہ سے علماء اور اہل کمال اس قدر جونپور میں جمع ہو گئے کہ شہر دہلی کا جواب بن گیا۔ بادشاہ علم پرور نے ہر شخص کو اس کی حیثیت کے مطابق انعام و اکرام سے مالا مال اور دل شاد کر دیا۔ (فرشتہ)

جونپور میں سلاطین شرقیہ کی علم دوستی اور علم پرستی کے باعث شہاب الدین دولت آبادی، محمد افضل استاذ الملک، مولانا اللہ داد، ملا محمود صاحب شمس بازغہ، مفتی عبدالباقی، دیوان عبدالرشید اور ملا جیون جیسے ارباب علم و فضل پیدا ہوئے، جن کا سلسلۂ فیض سارے ہندوستان میں پھیلا۔

۱۶۷۸ء میں ٹیورنیئر نے شہر جونپور کو دیکھا تھا، وہ رقمطراز ہے:

"جونپور جو مسلمانوں کے علوم و فنون کا مرکز اور علماء کا مرجع

تھا، جس کو "شیراز ہند" کا خطاب حاصل تھا، جہاں بہت سے مدارس قائم تھے، اور جس کی اب صرف گزشتہ عظمت کی داستان ہی داستان باقی رہ گئی ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ شہر ہندوستان کا شیراز تھا یا ازمنہ وسطیٰ کا پیرس۔ جون پور کا ہر شاہزادہ اس پر فخر کرتا تھا کہ وہ علم و حکمت کا مربی ہے۔ علماء اور حکماء اس شاہی دارالحکومت کے پرامن سرزمین میں ہر طرح کی علمی ترقیوں کے لئے ہمہ تن کوشاں رہتے تھے۔ محمد شاہ کے زمانہ تک بیس مشہور مدرسے جون پور میں تھے جن کے اب صرف نام ہی نام باقی رہ گئے ہیں۔"

امیر خسرو کے بعد ہندوستانی موسیقی کا بہت بڑا محسن اور بہت بڑا ماہر جون پور کا سلطان حسین شرقی تھا جس نے موسیقی میں گراں قدر اضافے کئے اور مختلف راگ راگنیوں کے ملاپ سے کئی راگ راگنیاں اختراع کیں۔ اسی طرح شد بد بھی سلطان حسین ہی کی ایجاد ہے، اس نے دھرپد کی جگہ خیال کو رواج دیا۔

(سالک)

شاہانِ مالوہ

۸۰۴-۹۳۷ ہجری - ۱۴۰۱-۱۵۳۱ عیسوی

مالوہ کے حاکم دلاور خاں نے ناصر الدین محمد شاہ تغلق کے مرنے کے بعد ۸۰۴ھ میں اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ یہ سلطنت تقریباً ڈھائی سو سال قائم رہی۔

جس زمانہ میں مالوہ میں خود مختار اسلامی ریاست قائم تھی۔ وہ علوم و فنون کے لئے دور دور تک مشہور تھی۔ یہاں متعدد مدرسے تھے۔ شاہان مالوہ کا دارالحکومت شادی آباد منڈو علوم و فنون کا مرکز بن گیا تھا۔

ہوشنگ مالوہ کا حاکم سلطان ہوشنگ بڑا علم دوست تھا، اس کے دربار میں بڑے بڑے علماء و فضلا اور اہل کمال تھے۔

محمود خلجی محمود خلجی بڑا علم پرور فرماں روا تھا۔ اس نے کثرت سے مدارس اور دارالعلوم قائم کئے۔ مانڈو کے دارالعلوم کی شہرت سارے ہندوستان میں تھی۔ محمود ارباب علم اور طلبا کی سرپرستی کرتا۔ بڑے بڑے علما و فضلا اس کے عہد میں موجود تھے۔ محمود کا عہد حکومت شاعری اور موسیقی میں بھی مشہور تھا۔

جس مقام سے کسی اہل کمال کی خبر اس کے گوش زد ہوتی، بادشاہ فوراً روپیہ ارسال کر کے اس کو طلب کر لیتا تھا۔ سلطان محمود نے اپنی مملکت میں مدرسے قائم کر کے علماء و فضلاء و طلباء کے وظائف مقرر کئے، اور درس و تدریس کے جاری کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ سلطان محمود خلجی کے ایام حکومت میں بلاد مالوہ رشک شیراز و سمرقند بن گیا۔ (فرشتہ)

وہ علم و ہنر کا قدر شناس، تعلیم کا ترقی دینے والا، طلباء کا دستگیر و معاون، علماء و فضلاء کی عزت کرنے والا شخص تھا۔

(راجستھان جلد اول)

محمود خلجی کی عظمت و شوکت کا چرچا ہندوستان سے باہر نکل کر دوسرے اسلامی ممالک کے مسلمانوں تک پہنچا ہوا تھا۔ ابوالفضل نے آئین اکبری میں لکھا ہے:۔

"خواجہ جمال الدین آلہ آبادی از جانب سلطان ابوسعید مرزا باگزیں ارمغان (قیمتی تحفوں) بپیش آوردید"

یعنی تیمور کے پوتے نے دربار مانڈو میں اپنی سفارت بھیجی تھی۔ ہندوستان کی اس نئی طاقت و حکومت کا شہرہ سن کر حسب دستور مختلف بلاد و امصار سے لوگ شادی آباد کی طرف کھنچے چلے آتے تھے۔ علماء اور صلحاء کو اپنے شہر میں لا کر بسانے اور اپنے ملک میں آباد کرنے کا محمود کو خاص شوق بھی تھا۔ مآثر رحیمی میں محمود خلجی کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

چوں سلطنت با وقار گرفت و ترتیب علماء و فضلاء

Marfat.com

کوشیدہ و مدارس ساخت"۔

اس نے صرف یہ نہیں کہا تھا بلکہ

" زربہ اطراف و اکناف عالم فرستادہ و مستعدان

راطلب داشت"۔

اس کتاب میں لکھا ہے کہ بادشاہ کے اس عجیب غریب ذوق وشغف کا نتیجہ یہ ہوا کہ چندہی دنوں میں مالوہ کے جنگلوں کے بیچ یہ شہر

" در زمان اد یونان ثانی گشت"۔

اطراف و اکناف عالم میں روپے بھیج بھیج کر جن اہل علم و کمال کو محمود خلجی نے بلایا تھا۔ ان میں حضرت امام محمد بن حسن الشیبانی صاحب ابی حنیفۃ الامام کے خاندان کے ایک بزرگ بھی تھے۔ جنہیں بادشاہ نے "تاج الافضال" کا خطاب دیا تھا۔[۱]

محمود خلجی کا بنوایا ہوا ایک مدرسہ سارنگ پور میں بھی تھا۔[۲]

غیاث الدین

محمود خلجی کے جانشیں سلطان غیاث الدین کو تعلیم نسواں سے انتہائی دلچسپی تھی۔ اس نے عورتوں کو فوجی تعلیم دلوائی تھی۔ مؤرخ فرشتہ کے بیان کے مطابق اس کے محل سرا میں ایک ہزار عورتیں حافظ قرآن تھیں۔

---

[۱] ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت۔ [۲] ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں۔

Marfat.com

محل سرا میں مدرس، فقیہ، مفتی، منجم، غرض ہر قسم کی عورتیں تھیں۔ ایسی عورتیں بھی تھیں، جو فنِ زرگری اور علمِ آہنگری وغیرہ میں بھی ماہر تھیں۔ حکومت کی جانب سے بہت سی استانیاں مقرر کی گئی تھیں، جو ہندو اور مسلم گھرانوں میں پردہ نشین عورتوں کو تعلیم دیا کرتی تھیں۔

سلطان غیاث الدین خلجی نے ایک مدرسہ ظفر آباد نعلچہ میں تعمیر کرایا تھا، جو سلطان محمود ثانی کے عہدِ حکومت تک قائم تھا۔
(آثارِ قدیمہ)

صوبہ مالوہ کی اسلامی تعلیمی یادگاروں میں اجین کا مدرسہ بھی قابلِ ذکر ہے، جس کے بانی کی تصریح نہیں مل سکی۔ اس مدرسہ کی شکستہ عمارت گذشتہ صدی تک باقی تھی۔ مصنف تزک افغانی اس کی نسبت لکھتا ہے کہ

"یہاں ایک مدرسہ عالیشان بادشاہی تھا۔ اس کے حجرے جو اب تک باقی ہیں، ان میں راقم نے بیل بندھے ہوئے دیکھے اور مدرسہ سے ملحق مسجد میں گھاس بھری ہوئی پائی۔" [1]
(آثارِ خیر)

---

[1] ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں۔

Marfat.com

شاہانِ گجرات

۷۹۹ - ۹۸۰ ہجری - ۱۳۹۶-۱۵۷۲ عیسوی

گجرات کی خود مختار اسلامی سلطنت کا بانی مظفر شاہ تھا۔ مظفر شاہ گجرات کا گورنر تھا۔ اس نے ۷۹۹ھ (۱۳۹۶ء) میں اپنی خود مختاری کا اعلان کیا۔ تقریباً دوسو برس تک گجرات نے اپنی آزادی برقرار رکھی۔ اس زمانے میں گجرات اسلامی علوم وفنون کا سرچشمہ اور مخزن اور علماء، فضلاء و شعراء کا ماوی و مسکن رہا۔ علم و فضل میں دہلی اور آگرہ سے گجرات بڑھا ہوا تھا۔ اورنگ زیب گجرات کو "زیب و زینت ہندوستان" کہا کرتا تھا۔

"مولانا سید عبد الحئی "یاد ایام" میں تحریر فرماتے ہیں کہ "میرا خیال ہے اور میں اس کو بلا خوفِ مخالفت کہہ سکتا ہوں کہ شاہانِ گجرات نے اپنی ڈیڑھ سو سال کے زمانہ فرماں روائی میں جس قدر علوم وفنون کی سرپرستی کی ہے، دہلی کی شش صد سالہ تاریخ اس کی نظیر نہیں پیش کر سکتی۔ یہ صرف ان کی قدردانی اور حوصلہ افزائی کا نتیجہ تھا کہ شیراز، یمن و دیگر ممالک اسلامیہ کے چیدہ و برگزیدہ علماء نے گجرات میں آکر بود و باش اختیار فرمائی، جن کے فیوض سے چند دنوں میں گجرات مالا مال ہو گیا اور خود گجرات میں اس پائے کے علماء پیدا ہوئے۔

Marfat.com

جن کے فیوض علمی کی آبیاری سے اب تک ہندوستان کی درس گاہیں سیراب ہو رہی ہیں۔ گجرات میں گھر گھر علم کا چرچا تھا اور ایسے باکمال علما ر وہاں سے نکلے، جن کی نظیر دوسری جگہ مشکل سے مل سکتی ہے۔

گجرات میں سلطان بادشاہوں کی اطمینان کی حکومت رہی، اس لئے علم و ادب کو فروغ ہوا اور مصنفین کو تصنیف و تالیف کا کافی موقع ملا۔

شاہان گجرات کے عہد میں اُردو زبان کی بھی سرپرستی ہوئی، اور اُسے ذریعہ تحریر قرار دیا گیا۔

احمد شاہ سلطان احمد شاہ (۱۴۱۱ - ۱۴۴۳ء) جس نے شہر احمد آباد کی بنا ڈالی تھی، علوم و فنون کا بڑا قدر داں تھا۔ اس کی علم دوستی کی وجہ سے اس کے دربار میں ارباب کمال دُور دُور سے کھنچ کھنچ کر آگئے تھے، اور گجرات میں علم و فن کی سرگرمی بہت بڑھ گئی تھی۔ احمد شاہ نے بہت سے مدارس اور مکاتب قائم کئے تھے۔

علوم ادبیہ کے امام علامہ بدر الدین محمد بن ابی بکر الدمامینی کو تسہیل ابن مالک کا ایک نسخہ احمد آباد میں ملا تھا۔ اس کی ایک مبسوط شرح لکھ کر سلطان احمد شاہ کے نام پر معنون کی۔ علاوہ اس کے شرح مغنی اللبیب، شرح صحیح بخاری اور عین الحیوۃ، خلاصہ حیوۃ الحیوان یہ تینوں کتابیں اسی بادشاہ کے نام پر معنون کی تھیں۔ (یاد ایام)

محمود شاہ بیگڑہ، مظفر شاہ — محمود شاہ بیگڑہ، مظفر شاہ ثانی

Marfat.com

اور مظفر شاہ ثالث بھی علم دوست تھے۔ ان کے دربار میں علماء و فضلاء کا مجمع رہتا تھا۔ محمود بیگڑہ نے علوم و فنون کو بڑی ترقی دی۔ اس نے متعدد مدرسے قائم کئے۔ مجمع النوادر۔ ابن خلکان کی وفیات الاعیان کا فارسی ترجمہ اور عیون الشرع محمود بیگڑہ کے لئے تصنیف کی گئیں۔ مظفر شاہ کے نام پر میزان العدالت لکھی گئی۔

محمود شاہ کو ایک بزرگ شیخ عثمان سے عقیدت تھی۔ شیخ موصوف نے عثمان پور میں ایک مدرسہ قائم کرکے بادشاہ کی عقیدت کا صحیح مصرف تجویز کیا۔ اس کے لئے عمارت تیار کرائی اور شاہی کتب خانہ کی اکثر کتابیں طلبا کو اور مدرسین کے مطالعہ کے واسطے وقف کر دیں۔ (یاد ایام)

۸۷۸ھ میں سلطان محمود نے دوارکا (جگت) کی فتح کے بعد جونا گڑھ میں علی محمد بن اسمٰعیل اساولی ابیلی سے فرمایش کی کہ مشہور وید واگھ بھٹ کی طبی کتاب "اسٹ رنگ ردی" کا فارسی میں ترجمہ کر ڈالو۔ چنانچہ پنڈتوں کی مدد سے فارسی جامہ پہنایا گیا۔ اور نام "شفاء محمودی" رکھا گیا۔ اس کتاب کو "طب محمود شاہی" بھی کہتے ہیں۔

Marfat.com

شاہانِ کشمیر

۷۴۷-۹۹۴ ہجری — ۱۳۴۶-۱۵۸۸ عیسوی

شاہ میر نامی ایک شخص نے ۱۳۴۶ء میں کشمیر میں خودمختار اسلامی حکومت کی بنیاد ڈالی اور سلطان شمس الدین کا لقب اختیار کیا۔ یہ سلطنت تقریباً ڈھائی سو سال قائم رہ کر ۱۵۸۸ء میں ختم ہوئی۔

مسلمان بادشاہوں نے کشمیر کے علماء، فضلاء، شعراء و صلحاء اور اہل کمال کی بلا امتیاز دین و ملت برابر پرورش و دستگیری کی ہے۔ اکثر علوم و فنون کی قابل قدر و کارآمد تصانیف اور ترجمے ان کے زیر اثر جلوہ پیرا و دانش افروز ہوئے ہیں۔[1]

سلطان سکندر جس کا سال وفات ۸۱۹ھ ہے، کشمیر کا وہ علم پرور بادشاہ گذرا ہے، جس کے زمانہ میں کشمیر علمی شان و شکوہ میں عراق و خراسان کا ہمسر بن گیا تھا۔ بادشاہ کی علمی قدردانی و فیاضی نے اطراف و اکناف عالم کو اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا جس کا لازمی نتیجہ کشمیر کی تعلیمی و علمی ترقی تھا۔[2]

سلطان زین العابدین (بڈشاہ) ۸۲۶-۸۷۷ھ فارسی، کشمیری،

---

[1] آئین اکبری جلد دوم صفحہ ۱۸۱ [2] ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں۔

ہندی اور دوسری زبانوں کا ماہر تھا، علم موسیقی سے بھی دلچسپی تھی۔ اس نے خود چند ساز بھی ایجاد کئے، سنسکرت کا ماہر تھا۔

زین العابدین نے علوم و فنون کو بڑی ترقی دی۔ اس نے تاریخ نویسی کا ایک مستقل محکمہ قائم کیا تھا۔ نوشہر کے دارالعلوم کے ساتھ ایک وسیع کتب خانہ اور ایک دارالترجمہ اس کی علم پروری کی یادگار تھا۔ سلطان نے ہندوؤں کی مذہبی کتابوں کی بھی اشاعت کی۔ ہندوؤں کے لئے بھی مدارس قائم کرائے۔ برہمنوں کو فارسی تعلیم حاصل کرنے کی ترغیب دی۔ اس کام کے لئے اس نے ایک ہندو افسر مقرر کیا۔ اس نے ایک مجلس قائم کی تھی، جس میں عربی و فارسی کتابوں کا ملکی زبان میں ترجمہ کیا جاتا تھا۔

زین العابدین نے فارسی زبان کو بہت کچھ سنوارا، فروغ دیا۔ کتب خانے اور مدرسے قائم کئے، نصاب تعلیمات مرتب کیا، بڑے بڑے انعامات دے کر کشمیر کے ادیبوں اور عالموں سے کتابیں لکھوائیں۔ سنسکرت کی بعض مشہور اور پرانی کتابوں کا فارسی میں ترجمہ کرایا۔ جیسے رامائن، مہابھارت، برتنت کتھا، بھگوت گیتا وغیرہ راجہ جے سنگھ (جس کے وقت تک کشمیر کی تاریخ راج ترنگنی لکھی جاچکی تھی) کے عہد سے اپنے زمانے تک کا سنسکرت میں ضمیمہ لکھوایا۔ پھر اس کا ترجمہ فارسی میں کرایا[1]

سلطان کی مجلسوں میں مسلمان علماء اور ہندو فضلاء دونوں شریک

---

[1] تاریخ کشمیر مترجمہ اشرف علی۔

Marfat.com

ہوتے تھے۔ وہ اپنی شاہانہ نوازشوں سے دونوں کو بہرہ یاب کرتا تھا۔ اس کی علم دوستی و علم پروری دیکھ کر لوگوں میں علمی ذوق و شوق پیدا ہو گیا۔ مصنفین کی ہمتیں بڑھیں اور تصنیفات کا سلسلہ شروع ہوا۔

چنانچہ سوم نامی ایک شخص نے جو کشمیری زبان کا شاعر تھا اور ہندی علوم میں اپنی نظیر نہیں رکھتا تھا "زین حرب" نام ایک کتاب لکھی، جو سلطان کے حالات و واقعات زندگی پر مشتمل تھی۔

قاضی حمید الدین، ملا احمد، ملا نادری نے تاریخیں لکھیں۔ ملا احمد نے کشمیر کی تاریخ کا فارسی ترجمہ زین العابدین کے حکم سے کیا اور "بحر الاسمار" موسوم ہوا۔

حسین چک

حسین چک بڑا علم دوست فرماں روا تھا وہ اپنا وقت زیادہ تر علماء و فضلا کی صحبت میں گزارتا۔

اس نے ۹۷۴ھ/۹۰۵ھ میں ایک بہت بڑا مدرسہ قائم کیا اور بڑے بڑے علماء و فضلا کو جمع کر کے اشاعت علوم و فنون کی بڑی کوشش کی۔ یہ علم پرور بادشاہ اپنا زیادہ وقت علما و صلحا کی خدمت میں گذارتا تھا، جو مدرسہ اس نے قائم کیا، اس کے مصارف اور علماء کی اعانت کے لئے ایک پرگنہ زین پور نامی متعین کر دیا۔

Marfat.com

شاہان خاندیس

۷۷۲-۱۰۰۸ ہجری -- ۱۳۷۰-۱۵۹۹ عیسوی

خاندیس کی خود مختار اسلامی سلطنت کا بانی ملک راجی فاروقی تھا۔ اس نے ۱۳۹۹ء میں خود مختاری کا اعلان کیا۔

فرمانروایان خاندیس نے بھی علوم و فنون کی بڑی سرپرستی کی محمد نصیر الدین خاں خاص طور پر اپنی علم دوستی کے لئے مشہور ہے۔ اس کی قدردانی کے باعث اہل علم اور ارباب کمال خاندیس میں جمع ہو گئے تھے۔ فرشتہ لکھتا ہے کہ نصیر خاں فاروقی کے عہد میں اس خاندان کو غیر معمولی ترقی ہوئی اور عزت و شان دوبالا ہو گئی، اور نصیر خاں نے اس امر کا ارادہ کیا کہ دیگر سلاطین کی طرح بہترین افراد کو اپنی بارگاہ میں یک جا کرے، چنانچہ بادشاہ کی قدردانی سے اہل علم و ارباب کمال خاندیس میں جمع ہو گئے۔ نصیر خاں نے حتی الامکان ہر ایک کو وظائف و جاگیر عنایت کی، اور ان افراد کے وجود نے اس خاندان کو بلند و بالا کیا۔

برہان پور -- دریا تاپتی کے ساحل پر ایک مدرسہ واقع تھا۔ سلاطین خاندیش میں سے کوئی سلطان اس مدرسہ کا بانی ہوا ہے نام کی تصریح نہیں مل سکی اورنیٹل انویل کے مصنف نے ۱۸۲۰ء

Marfat.com

میں اس مدرسہ کے آثار کو دیکھا اور اس کا تذکرہ بہت شاندار الفاظ میں کیا ہے۔

دولت آباد — یہ مدرسہ بھی سلاطین خاندان میں سے کسی کی علمی و تعلیمی دلچسپیوں کا نتیجہ ہے۔ افسوس ہے کہ اس کے علم پرور بانی کے نام کی تصریح نہ مل سکی۔ شیخ ضیاء الدین اور شیخ برہان الدین اس مدرسہ کے مدرسین تھے۔[1]

دارالسلطنت برہان پور میں ایک کتب خانہ بھی تھا جس میں نایاب کتابیں تھیں۔ فرشتہ لکھتا ہے کہ وہ ۱۰۱۳ھ میں برہانپور پہنچا، جب کہ قلعہ آسیر میں خواجہ علی اسفراینی کی زیر نگرانی فاروقی سلاطین کے شاہی کتب خانے کا جائزہ لیا جا رہا تھا۔ برہان پور کا یہ شاہی کتب خانہ کتنا بڑا تھا اور اس میں کیسی کیسی کتابیں تھیں، اس کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ دربار اکبری شہرۂ آفاق عالم فیضی بھی اس کتب خانہ کا محتاج تھا۔ حالانکہ خود اس کے ذاتی کتب خانہ میں چھ ہزار بہترین کتابیں تھیں۔ فیضی کے ۱۰۰۱ھ میں اپنے دوران قیام احمد نگر میں برہان پور کے بادشاہ میران راجہ علی خاں عرف عادل شاہ سے "تغلق نامہ" منگوایا تھا۔

---

[1] ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں۔

Marfat.com

شاہانِ دکن

خاندان بہمنی

۷۴۸ - ۹۳۳ ہجری - ۱۳۴۷ - ۱۵۲۶ عیسوی

دکن کے تاجدار عموماً صاحب ذوق اور اہل کمال کے قدرداں تھے۔ اسی وجہ سے اطراف واکناف عالم سے ارباب فن دکن کو اپنے علم وفن کا قدرداں سمجھا اور دور دراز مقامات ترک وطن کر کے دکن کو اپنا مستقر بنایا۔ ان ارباب فن کا دامن آرزو شاہان دکن کی فیاضی سے مالامال ہوتا تھا۔ جہاز بھیج بھیج کر فارس وترکستان وروم سے علماء وفضلاء اور ارباب فضل وکمال کو بلا کر شاہان دکن اپنے دربار کی رونق بڑھاتے۔ شاہان دکن نے ہزارہا مدارس اور کتب خانے قائم کئے۔ دکن کی سرزمین میں بے شمار صاحب علم وفن پیدا ہوئے۔

دکن میں بہت سی خودمختار اسلامی حکومتیں قائم ہوئیں۔ ان سب حکومتوں کی بنیاد حکومت بہمنی ہے۔ بہمنی خاندان کا بانی سلطان علاء الدین حسن گانگو بہمنی تھا جس نے ۷۴۸ھ (۱۳۴۷ء) میں اس سلطنت کی بنیاد رکھی۔

بہمنی خاندان کے ذیل کے فرماں روا خاص طور سے علم دوست تھے۔

Marfat.com

محمودشاہ ۷۸۰-۷۹۹ھ / ۱۳۷۸-۱۳۹۷ء محمود شاہ بہمنی بڑا علم دوست اور دیندار تھا۔ فلسفہ و حکمت کا ماہر تھا اور علوم و فنون کا بڑا شائق۔ اچھا شاعر تھا۔ فارسی اور عربی خوب جانتا اور فن خوشنویسی میں کافی مہارت تھی۔ قوم نے محمود کو "ارسطو" کا خطاب دیا تھا۔

محمود شاہ یتیموں کا بڑا سرپرست تھا، ان کی تعلیم و تربیت کے لئے اپنی سلطنت کے بڑے بڑے شہروں میں مدارس قائم کیے۔ اور بڑی بڑی جاگیریں ان کے اخراجات کے لئے وقف کیں۔ فرشتہ لکھتا ہے کہ ملک کے تمام بڑے بڑے شہروں میں یتیموں کی تعلیم کے لئے مدرسے قائم کئے۔ گلبرگہ، بیدر، قندھار، ایلچپور، دولت آباد، چیتر، جیول وغیرہ شہروں اور بڑے بڑے قصبوں میں معلمین مقرر کئے گئے اور ان کی تنخواہیں شاہی خزانہ سے ادا کی گئیں۔

محمود شاہ محدثین کی بڑی عزت کرتا، انہیں بڑی بڑی تنخواہیں دیتا کہ وہ اطمینان قلب کے ساتھ علم حدیث کی اشاعت میں مصروف رہیں۔

فرشتہ کا بیان ہے کہ محمود کے زمانہ میں عرب و عجم کے نامی گرامی شعرا دکن آتے اور سیر چشم فرماں روا کے انعام و اکرام سے مالامال ہو کر خوش و خرم اپنے وطن کی راہ لیتے تھے۔ ایک عجمی شاعر ایک مرتبہ دکن آیا اور میر فضل اللہ شیرازی کے وسیلہ سے جو عہدۂ صدارت پر فائز تھا، شاہی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ شاعر نے ایک قصیدہ مدحیہ بادشاہ کے ملاحظہ میں پیش کیا، اور پہلی ہی باریابی میں ایک ہزار تنکہ

طلائی جو ایک ہزار تولہ سونے کے برابر ہوا۔ انعام میں پاکر اپنے وطن واپس آگیا۔

محمود نے فارسی کے مشہور و معروف شاعر خواجہ حافظ شیرازی کو دکن آنے پر آمادہ کرلیا تھا، لیکن بحری سفر سے خائف ہو کر انہوں نے آنے سے معذوری ظاہر کی اور ایک پرکیف غزل لکھ کر بھیجاری۔ قدرداں بادشاہ نے از راہ قدردانی ایک ہزار تنکہ طلائی حافظ شیرازی کی خدمت میں بھیج دیئے۔ ۱

فیروز شاہ بہمنی ۸۰۰-۸۲۵ھ ۱۳۹۷-۱۴۲۲ء

فیروز شاہ کو ہر علم سے عموماً اور تفسیر واصول و حکمت طبعی اور نظری سے خصوصاً دلچسپی تھی۔ بادشاہ کو صوفیہ کی اصطلاحات سے بھی پوری واقفیت تھی۔ ہفتہ میں تین دن بادشاہ خود طلبا کو درس دیا کرتا تھا۔ زاہدی اور شرح تذکرہ فن ریاضی میں اور شرح مقاصد کلام میں اور اقلیدس علم ہندسہ میں مطول علم معانی و بیان میں بادشاہ کے درس کی خاص کتابیں تھیں۔ اگر کبھی اتفاق سے بادشاہ کو فرصت نہ ملتی تو رات کو طالبعلموں کو اپنے پاس بلاتا اور ان کو معمولی سبق پڑھا کر طلبا کو اپنے معلومات سے مستفید کرتا تھا۔ (تاریخ فرشتہ)

فیروز شاہ شاعر بھی تھا۔ عروجی اور فیروزی تخلص کرتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ صاحب دیوان تھا۔ ذوق سخن اور لطافت مذاق شاہیت پر غالب تھی۔ حافظ کا یہ عالم تھا کہ ایک بار جو بات سن لیتا زندگی

بھی نہیں بھولتا۔ فیروز بہت سی زبانوں کا ماہر تھا، لیکن اُسے عربی زبان سے بڑی محبت تھی۔ اس کے دربار میں جس ملک کا سفیر آتا اسی زبان میں گفتگو کرتا۔ فیروز کے حرم میں عربی اور عجمی بیگمات کے علاوہ ترکی، فرنگی، ختائی، افغانی، راجپوت، بنگالی، گجراتی، تلنگی، کنڑی اور مرہٹی بیگمات تھیں اور فیروز ان سب سے ان کی مادری زبان میں گفتگو کرتا۔

علماء، فضلاء، اہل کمال اور شعراء کی منزلت فیروز کی نگاہ میں بہت تھی۔ ہر سال اسلامی ممالک میں جہاز بھیجتا، اور وہاں کے ارباب علم و فن کو اپنے دربار میں آنے کی دعوت دیتا۔ حضرت سید محمد گیسو دراز رح سنہ ۸۱۵ھ میں گلبرگہ تشریف لائے تو فیروز شاہ خود ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ یمن سے علامہ بدرالدین ؒ کے آنے کی خبر ملی تو خود تین میل تک علامہ کے استقبال کے لئے گیا۔

حاجی محمد قندھاری لکھتا ہے کہ فیروز شاہ روزانہ ایک چوتھائی کلام اللہ اپنے ہاتھ سے لکھتا تھا اور اپنی زندگی کا بیشتر حصہ خدا کی عبادت کے بعد مخلوق کے پرسش احوال میں صرف کرتا تھا۔ ہر رات دو دو پہر علماء، مشائخ، شعراء، قصہ خواں، افسانہ گو، ندیموں اور خوش طبع لوگوں کی صحبت رہتی تھی اور اس مجلس میں شاہی آداب کی رعایت نہ کی جاتی تھی، بلکہ بادشاہ ہر شخص سے دوستانہ اور برادرانہ سلوک کیا کرتا تھا۔ (تاریخ فرشتہ)

ملا داؤد بیدری نے اپنی کتاب "تحفۃ السلاطین" کہ

Marfat.com

فیروز شاہ کے نام سے معنون کیا تھا۔ (فرشتہ)

فیروز شاہ کو علم ہیئت سے بھی دلچسپی تھی۔ سنہ ۸۱۰ھ میں دولت آباد میں ایک رصدگاہ تعمیر کرائی تھی اور تحقیقات کے لئے محمود گازرونی اور حسن گیلانی مقرر کئے تھے۔

احمد شاہ اوّل بہمنی ۸۲۵-۸۳۸ھ / ۱۴۲۲-۱۴۳۵ء

احمد شاہ کے دربار میں بڑے بڑے علماء و فضلاء کا اجتماع تھا جس میں ملا عبدالغنی اور مفتی نجم الدین قابل ذکر ہیں۔ مرزا شاہ رُخ کے دربار کا ملک الشعراء آذری حج بیت اللہ کے بعد دکن آیا اور احمد شاہ کے دربار میں رہا۔ اس نے بادشاہ کی خواہش پر سلاطین بہمنیہ کے حالات منظوم کئے، جس کا نام "بہمن نامہ" رکھا گیا۔

احمد شاہ نے جب اپنا پایہ تخت گلبرگہ سے محمد آباد منتقل کیا اور وہاں اس کا شاہی محل تیار ہو گیا تو آذری نے فی البدیہہ ایک قطعہ کہہ کر پیش کیا۔ آذری اپنے وطن جانے لگا تو بادشاہ نے چالیس ہزار تنکہ سفید عطا کئے۔ آذری نے کہا کہ یہ عطیہ شاہی اس قدر وزنی ہے کہ اُسے اُٹھا نہیں سکتا، تو احمد شاہ نے باربرداری کے لئے مزید بیس ہزار تنکے خرچ راہ کے لئے عطا کئے۔

احمد شاہ نے حضرت گیسو دراز کے لئے ایک عظیم الشان مدرسہ گلبرگہ کے قریب بنوایا۔

Marfat.com

علاءالدین احمد شاہ ثانی ۸۳۸ھ - ۸۶۲ھ / ۱۴۳۵ء - ۱۴۵۷ء

سلطان علاءالدین بڑا فصیح و بلیغ تھا اور فارسی بہت اچھی جانتا تھا۔ اس نے دوسرے علوم کی بھی فی الجملہ تحصیل کی تھی۔ کبھی کبھی جمعہ اور عیدین میں جامع مسجد میں بھی جاتا تھا، اور منبر پر بیٹھ کر خطبہ پڑھتا تھا۔

علاءالدین علم دوست تھا۔ اس کا دربار علماء و فضلائے سے بھرا ہوا تھا۔ اسے علم طب سے بہت دلچسپی تھی۔

محمد شاہ ثانی ۸۶۷ھ - ۸۸۸ھ / ۱۴۶۳ء - ۱۴۸۳ء

محمد شاہ ثانی نے نو برس کی عمر میں تاج بہمنی سر پر رکھا۔ بادشاہ کو حیدر خاں شوستری کے، جو اپنے زمانہ کا بڑا فاضل اور پرہیزگار تھا، سپرد کیا گیا۔ محمد شاہ تحصیل علم اور کسب و کمال میں مشغول ہوا اور تھوڑے ہی زمانہ میں اچھی قابلیت اور خوشخطی میں خوب مہارت حاصل کر لی۔ چنانچہ فیروز شاہ بہمنی کے بعد اس خاندان میں محمد شاہ سا صاحب علم و فضل فرماں روا نہیں ہوا۔ (فرشتہ)

محمد شاہ فارسی علم و ادب کا بڑا مربی اور سرپرست تھا۔ اپنے لائق وزیر خواجہ جہاں گیلانی (محمد گاواں) کی مدد سے بہت سے مفید کام انجام دیئے۔ محمد گاواں بڑا علم دوست تھا۔ اس نے ایک عظیم الشان مدرسہ قائم کیا، جس کی عمارت شاندار تھی۔ محمود گاواں کے پاس ایک کتب خانہ تھا جس میں ۲۵ ہزار کتب مختلف

Marfat.com

علوم و فنون کی تحقیق۔

محمد شاہ بہمنی بھی سید محمد گیسو دراز سے بے حد عقیدت رکھتا تھا، چنانچہ اس نے دوسرے علما کی پرورش کے علاوہ سید صاحب کو گلبرگہ کے نزدیک بہت سے دیہات اور بہت سی اراضی علی الدوام عطا کی، اور ان کے لیے گلبرگہ کے پاس ایک عظیم الشان مدرسہ تعمیر کرایا[1]

وزیر محمود گاواں محمد شاہ کا وزیر محمود گاواں علمار و فضلا کی سرپرستی اور امداد میں نظیر نہ رکھتا تھا۔ اس کی داد و دہش کا یہ عالم تھا کہ دنیا کا کوئی قریہ اور شہر ایسا نہ ہوگا، جہاں کے مشائخ اور اہل اللہ اس کے انعام و وظائف سے فیض یاب نہ ہوئے ہوں۔ شہر بیدر میں محمود گاواں کا مدرسہ بقول میڈوز ٹیلر شاید اسی عہد کی عظیم ترین مکمل عمارت تھا۔

---

[1] ثقافت۔ مضمون مولنا سالک۔

شاہان احمد نگر

۸۹۶ - ۱۰۰۳ ہجری - ۱۴۹۰ - ۱۵۹۵ عیسوی

احمد نگر کی نظام شاہی حکومت کا بانی ایک نو مسلم ملک احمد نظام شاہ تھا۔

برہان نظام شاہ بن احمد نظام شاہ دس برس کی عمر میں عربی کی کافیہ ومتوسط پڑھتا تھا اور خط نسخ خوب لکھتا تھا۔ ایک علم اخلاق کا رسالہ بہت خوشخط اس نے اپنے ہاتھ سے لکھا تھا۔[۱]

برہان نظام شاہ نے شیعی مذہب قبول کیا اور بذریعہ شیعیت کے مختلف طریقے اختیار کئے۔ منجملہ ان کے ایک مدرسہ اثنا عشری کا قیام بھی ہے، جس کی عمارت اس نے خاص قلعہ احمد نگر کے مقابل بنوائی تھی۔ اس کے قریب ایک لنگر خانہ بنام لنگر دوازدہ امام قائم کیا اور اس مدرسہ و لنگر کے مصارف کے لئے متعدد گاؤں، جون پور، سنور، اسپاپور وغیرہ وقف کئے۔

مصنف آثار خیر کا بیان ہے کہ نظام شاہ نے احمد نگر میں ایک مدرسہ بغداد نامی قائم کیا تھا۔[۲]

برہان شاہ بن حسین نظام شاہ بڑا علم دوست تھا۔ مولانا ظہوری نے اپنی مشہور نظم "ساقی نامہ" کو جس میں تقریباً چار ہزار اشعار ہیں۔ برہان شاہ کے نام سے معنون کیا ہے۔ یہ نظم بہت خوب اور تمام طور پر شعراء و عقلا کے طبقے میں مقبول ہے۔[۳]

---

[۱] تاریخ ہندوستان۔ مولانا ذکاء اللہ۔ [۲] ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں [۳] تاریخ فرشتہ

Marfat.com

شاہانِ بیجاپور

۸۹۵ - ۱۰۹۶ ہجری -- ۱۴۹۰ - ۱۶۸۶ عیسوی

یوسف عادل خاں نے ۸۹۵ھ (۱۴۹۰ء) میں عادل شاہی سلطنت کی بنا ڈالی ۔ اس خاندان نے دو سو سال تک حکومت کی ۔ اس دوران میں بڑے بڑے شعراء اور ادباء بیجاپور میں گزرے ۔

یوسف عادل خاں نہایت اچھا شاعر اور موسیقار تھا ۔ موسیقی میں اُسے کمال حاصل تھا اور موسیقی کے جلسوں میں فی البدیہہ اشعار پڑھا کرتا ۔ علماء و فضلاء ، شعراء اور مغنیوں کا بڑا قدر داں تھا اور بیش بہا تحفوں سے ان کی ہمت افزائی کرتا ۔ ایران و توران ، عربستان اور روم جیسے دور دراز مقامات سے ارباب علم و فن کو اپنے دربار میں بلاتا اور ان کی قدر افزائی کرتا ۔

اسمٰعیل شاہ ۹۱۶ - ۹۴۱ھ / ۱۵۱۰ - ۱۵۳۴ء اسمٰعیل عادل شاہ شاعری ، موسیقی اور مصوری میں ماہر تھا ۔ " وفائی " تخلص کرتا ۔ بقول فرشتہ دکن کے کسی بادشاہ نے اسمٰعیل عادل کے سے لطیف اور رنگین اشعار نظم نہیں کیے ۔ علماء و فضلاء اور شعراء کی صحبت میں رہتا اور نہایت

فراخ حوصلگی اور سیر چشمی سے ان کے ساتھ سلوک کیا کرتا۔

ابراہیم عادل شاہ اوّل ۹۴۱ - ۹۶۹ھ / ۱۵۳۴ - ۱۵۵۷ء

ابراہیم عادل شاہ فنون لطیفہ سے بڑی دلچسپی رکھتا تھا۔ موسیقی میں خاص مہارت حاصل تھی۔ ابراہیم بڑا علم دوست فرماں روا تھا۔ اس کی علم پروری کے باعث اس کے دربار میں ارباب علم و فضل کا مجمع رہا کرتا تھا۔ مولانا ملک، مولانا ظہوری، محمد قاسم جیسے باکمال اہل علم اس کے دربار کی زینت تھے۔

ابراہیم کے عہد میں عراق و عجم کے بہت سے اہل علم و فضل نے بیجاپور میں سکونت اختیار کی اور بیجاپور ایران کا نمونہ بن گیا۔

ابراہیم کی تخت نشینی کے بعد سے بیجاپور میں اُردو کی نشو و نما ہونے لگی اور فارسی کے عوض شاہی دفاتر میں اُردو زبان رواج پا گئی۔ ملکی حسابات بھی اُردو میں تحریر کئے جانے لگے۔ اسی عہد سے اُردو زبان میں باقاعدہ تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع ہوا۔

کتب خانہ عادل شاہی کا کچھ حصہ بیجاپور کے آثار مبارک میں اب تک موجود ہے۔ باقی بے شمار کتابیں مغل شہنشاہ اورنگ زیب گاڑیوں میں بھر کر دار الخلافہ میں لے گیا تھا۔[1]

علی عادل شاہ اوّل ۹۶۵ - ۹۸۸ھ / ۱۵۵۷ - ۱۵۸۰ء

علی عادل شاہ کو کتب بینی کا بہت شوق تھا۔ اس کے کتب خانے میں ہزاروں کتابیں تھیں

---

[1] مولانا سالک۔ ثقافت

Marfat.com

سفر میں بھی اس کے ساتھ کم سے کم چار صندوقوں میں کتابیں رہتی تھیں۔ کتابوں کی فراہمی میں کثیر رقم خرچ کیا کرتا۔

بادشاہ کی سخاوت کی شہرت سُن کر فارس، عراق، آذربائیجان، لبنان اور دوسرے اسلامی ممالک سے علماء و فضلاء اور ارباب علم و فن بیجاپور آئے۔ کہا جاتا ہے کہ صرف شیراز سے دس ہزار افراد عادل شاہ کے دربار میں آئے اور انعام و اکرام اور وظائف لے کر واپس گئے۔

عادل شاہ کی سخاوت کا یہ عالم تھا کہ ایک فقیر نے اس کی خدمت میں کلام پاک کا ایک نسخہ پیش کیا تو اس فقیر کو خزانۂ عامرہ میں لا کر ایک بڑا صندوق جس میں ظروف طلائی و نقرئی تھے، اس کے سامنے کھول دیا۔ فقیر نے ایک ظرف پنج ہزاری اٹھا لیا۔

میر فتح اللہ شیرازی کو عادل شاہ نے ہزارہا روپے خرچ کر کے شیراز سے دکن بلایا تھا۔ اس کے بعد شہنشاہ اکبر نے اپنے یہاں بلوایا۔ اسی طرح شاہ کمال الدین کو شیراز سے بلوانے میں چالیس ہزار ہن خرچ ہوئے تھے۔

عادل شاہ کا وزیر افضل خاں شیرازی بڑا عالم تھا۔ اس کی فیاضی سے بھی بیجاپور میں بہ کثرت علماء و فضلاء جمع ہو گئے تھے۔

ابراہیم عادل شاہ ثانی ۱۵۸۰ - ۱۶۲۷ عیسوی

ابراہیم عادل شاہ ایک باکمال شاعر تھا اور اس کا مرتبہ شعر و سخن میں بہت کافی بلند تھا۔ اس کو موسیقی سے خاصی دلچسپی تھی، بلکہ موسیقی کا ماہر سمجھا جاتا تھا۔ وہ علم و فن کا

Marfat.com

قدرداں اور کمال کا سرپرست تھا۔ ابراہیم کا دربار علما، فضلا، شعرا اور دوسرے اصحابِ کمال سے بھرا ہوا تھا۔ اور اس کی سرپرستی میں مختلف علوم و فنون پر کتابیں تصنیف و تالیف ہوتیں۔ علمی ترقی کے لحاظ سے ابراہیم کا شمار ہندوستان کے ممتاز حکمرانوں کی فہرست میں ہوتا ہے۔ اس نے علوم و فنون کے پھیلانے میں بڑی کوششیں کیں۔

ابراہیم اُردو زبان کا زبردست سرپرست تھا۔ اس کی سرپرستی میں اُردو پھلی پھولی۔

ابراہیم نے فنِ موسیقی کے متعلق دکھنی میں ایک نظم لکھی جس کا نام کتاب نورس تھا۔ اس کا دیباچہ فارسی کے مشہور ادیب ملا ظہوری نے لکھا۔

ابراہیم کی فرمائش سے عبدالرشید السنگی نے علاء الدین محمد بن زکریا قزوینی کی "عجائب المخلوقات اور غرائب الموجودات" کا فارسی میں ترجمہ کیا۔ ملا رفیع الدین شیرازی نے روضۃ الصفا کا خلاصہ لکھا اور سلاطین بہمنیہ اور شاہان عادل شاہیہ کی ایک مبسوط تاریخ "تذکرۃ الملوک" کے نام سے تصنیف کی، ممتاز مورخ فرشتہ نے اپنی مشہور تاریخ لکھی، جو "تاریخ فرشتہ" کے نام سے مشہور ہے۔ شیخ علم اللہ محدث بادشاہ کی طرف سے بیجاپور کی جامع مسجد میں علم حدیث کا درس دیا کرتے تھے۔

ابراہیم نے ایک شہر نورس پور کے نام سے اپنی دارالسلطنت کے قریب آباد کیا اور اس کو ایک علمی و ادبی مرکز بنانے کی کوشش کی۔

Marfat.com

مشہور مؤرخ محمد قاسم فرشتہ، نورالدین ظہوری، عبدالرشید الستگی، ملا رفیع الدین شیرازی، ملا باقر کاشی، سنجر کاشی، ملک قمی، عبدالفنا در نوری، مولانا حیدر ذہنی، ابوطالب، کلیم، مرزا مقیم، حکیم آتش جیسے ارباب علم و فن ابراہیم کے دربار کی زینت تھے۔

ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور تحریر فرماتے ہیں کہ ابراہیم کے عہد حکومت میں بیجاپور علم و ادب، فن موسیقی و تعمیر کا بڑا مرکز بن گیا تھا۔ علوم و فنون کے سیکڑوں ماہرین اس کے دربار میں ایران، عرب، عراق، شمالی ہند اور گجرات سے کھنچ آئے تھے۔ جب گجرات پر اکبر کا قبضہ ہو گیا تو اس بادشاہ نے قیمتی ہدایا کے ساتھ اپنے سفیر بھیجے اور گجرات کے ماہرین علم و ہنر کو بیجاپور آنے کی دعوت دی۔ چنانچہ وہ بیجاپور آئے اور انعام سے مالا مال ہوئے۔

(معارف مارچ ۱۹۵۶ء)

محمد عادل شاہ

۱۰۳۷ - ۱۰۶۷ ھ۔ محمد عادل شاہ علوم و فنون کا بڑا حامی اور سرپرست تھا۔ اس کے دور حکومت میں علم و فن کی بڑی ترقی ہوئی۔ بہت سے مدارس کھولے گئے۔ طلباء کو وظائف دیئے جاتے اور ہر قسم کی مدد دی جاتی۔ ہر سال محرم میں طلباء اور علماء کو سلطان فیاضی کے ساتھ تحفے دیتا۔

لہ بعد میں شاہجہاں کے دربار سے منسلک ہوا۔

Marfat.com

شاہ نور اللہ، ملا محمد حسن، ملا حبیب اللہ، ابراہیم، مرزا مقیم، حکیم آتشی، صنعتی، رستمی، مرزا دولت شاہ وغیرہ محمد عادل شاہ کے دربار کی زینت تھے۔

تاریخ دکن سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد عادل شاہ کے زمانہ میں آثار شریف اور جامع مسجد بیجاپور میں دو دو مدرسے عربی ایک فارسی اور کئی مکتب تعلیم قرآن کے لئے جاری تھے۔ یہاں غریب طلباء کو کھانا اور جیب خرچ کے لئے ماہوار فی کس ایک ایک ہن ملتا تھا۔ اختتام سال پر ذی الحجہ کے مہینہ میں امتحان ہوتا تھا۔ امتحان کے بعد انعامات تقسیم ہوتے تھے اور فارغ التحصیل طلبا کو حسب قابلیت و استعداد سرکاری نوکریاں ملتی تھیں۔

ان کے علاوہ تمام ممالک محروسہ کی بڑی مسجدوں میں مدرسے قائم تھے۔ جن میں طلباء کے اخراجات کی کفالت حکومت کی طرف سے کی جاتی تھی۔ (آثار خیر)[1]

علی عادل شاہ ثانی ۱۰۷۰-۱۰۸۳ھ

علی عادل شاہ ثانی بلند پایہ شاعر تھا۔ علوم وفنون کا حامی اور سرپرست تھا۔

اس بادشاہ کو اردو زبان سے بڑی دلچسپی تھی۔ اس کے عہد میں اردو شعر و شاعری کا بہت چرچا ہوا اور اردو شعراء کثرت

---

[1] ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں۔

Marfat.com

سے گذرے ۔ علی عادل دل کھول کر ان کی سرپرستی کرتا ۔ نصرتی کو "ملک الشعراء" کا خطاب عطا کیا گیا ۔ مشہور انشا پرداز نورالدولہ قاضی سید علی محمد نے علی عادل شاہ کی تاریخ لکھی ۔

عادل شاہ نے بہت سی کتابیں لکھوائیں اور ان کے صلہ میں کثیر رقم عطا کی ۔

شاہان گولکنڈہ

۹۱۶-۱۰۹۸ھ — ۱۵۰۸-۱۶۸۷ء

قلی قطب شاہ نے سنہ ۹۱۶ھ میں اپنی خودمختاری کا اعلان کیا یہ علم الحساب میں بڑا ماہر تھا۔ بڑا علم دوست اور علوم و فنون کا سرپرست تھا۔ متعدد مدرسے قائم کئے۔ ایک یورپین مصنف شارگزل لکھتا ہے کہ اس نے جنوبی ہند میں ابتدائی مدارس بہ کثرت قائم کئے۔

جمشید قلی خان ۹۵۰-۹۵۷ھ — جمشید کو شعر و سخن سے دلچسپی تھی۔ ملا محمد شریف وقوعی اس دربار میں ملک الشعراء تھا۔

ابراہیم قطب شاہ ۹۵۷-۹۸۹ھ — ابراہیم زبردست عالم تھا، علم و ادب میں بڑی دلچسپی لیا کرتا تھا۔ اس کے عہد حکومت میں اردو کو بھی فروغ حاصل ہوا۔ اس کے دربار میں مشہور و معروف اہل کمال کا جمگھٹا تھا، اور سلطان ان کی ہر طرح ہمت افزائی کرتا۔

ابراہیم نے مدرسے قائم کئے، جہاں مفت تعلیم دی جاتی اور طلباء کو وظائف اور انعامات دیئے جاتے۔

Marfat.com

ابراہیم کے بیرونی محل کے ایک حصہ میں نقاش، سنگ تراش، اور صحاف رہتے، جو شاہی کتب خانہ کی دیکھ بھال کرتے۔ ایک حصہ میں ادبا، شعرا اور خوش نویس رہتے جو تصنیف و تالیف میں مشغول رہتے۔ ایک حصہ میں علما، اور شعرا ادبی مباحثہ کے لئے جمع ہوتے۔

خورشاہ بن قباد الحسینی نے ابراہیم کی فرمائش پر دنیا کی ایک تاریخ لکھی جس میں ابتدائے تخلیق عالم و آدم سے ۹۷۰ھ تک کے حالات درج کئے۔

محمد قلی قطب شاہ ۹۸۹ - ۱۰۲۰ ہجری / ۱۵۸۱ - ۱۶۱۱ عیسوی

محمد قلی قطب شاہ علوم و فنون کا قدر دان اور صاحب علم و فضل سلطان تھا۔ ایک اچھا شاعر اور ادیب تھا۔ دکھنی میں اس کا تخلص "معانی" اور فارسی میں "قطب شاہ" تھا۔ دکھنی فارسی اور تلنگی میں ہزاروں شعر کہے۔ اردو کا پہلا صاحب دیوان تھا۔ خوش نویسی کا بڑا ذوق تھا۔ ایران اور عراق کے خطاط اس کے دربار میں تھے۔ علما، فضلا، شعرا، اور مصنفین کا بڑا قدر داں تھا۔ اس کی سخاوت اور قدر دانی کا حال سن کر عرب اور ایران کے اہل کمال اس کے دربار میں آتے اور اس کی فیاضی سے مستفیض ہوتے۔ اس کے عہد حکومت میں گولکنڈہ میں اہل علم بکثرت جمع ہو گئے تھے۔

مولٰنا عبدالحق صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ سلطان محمد قلی قطب شاہ کا زمانہ تاریخ میں خاص امتیاز رکھتا ہے۔ خاص کر شاعری

کے چرچے ایران سے لے کر ہندوستان تک یکساں تھے، بلکہ ہندوستان کا قدم کچھ آگے ہی تھا۔

سلطان محمد قلی کی فرمائش پر مرزا محمد امین نے خمسۂ نظامی کے جواب میں چار مثنویاں لکھیں۔

محمد قطب شاہ ۱۰۲۰ - ۱۰۳۵ھ / ۱۶۱۱ - ۱۶۲۵ء محمد قطب شاہ بلند پایہ شاعر تھا۔ فارسی اور دکنی زبانوں میں اس کے دیوان موجود ہیں۔ اس نے محمد قلی قطب شاہ کے کلیات نظم کو جمع کیا، اور اس پر ایک منظوم دیباچہ لکھا۔ وہ ہر کتاب پر مفید معلومات لکھا کرتا۔

محمد شاہ قطب شاہ نے سلطنت قطب شاہی کی ایک ضخیم تاریخ لکھوائی۔

وجہی، غواصی، قطبی، جنیدی، ابن نشاطی شعرا قطب شاہ کے دربار میں تھے۔

عبداللہ قطب شاہ ۱۰۳۵ - ۱۰۸۳ھ / ۱۶۲۵ - ۱۶۷۲ء عبداللہ عالم اور شاعر تھا۔ فارسی اور دکنی دونوں زبانوں میں اس کے دیوان موجود ہیں۔ "عبداللہ" تخلص کرتا۔ اس کی نظموں کا مجموعہ حیدرآباد سے شائع ہو چکا ہے۔ عبداللہ نہایت علم دوست اور ارباب علم و فن کا قدرداں تھا۔

عبداللہ کی فرمائش سے ملا جمال الدین نے کعمی کی کتاب المصباح اور ملا علی بن طیفور نے ملا ابن بابویہ علقمی کی کتاب خیون الاخبار کا فارسی

ترجمہ کیا اور مولانا حسنین آملی نے نہج البلاغۃ کی شرح لکھی۔ فارسی کی مشہور لغت برہان قاطع عبداللہ کے نام پر لکھی گئی۔

عبداللہ کے دربار کے مؤرخ نظام الدین احمد نے تاج پوشی سے لے کر ۱۰۴۹ھ تک کے واقعات لکھے ہیں۔

ابوالحسن تاناشاہ ۱۰۸۳-۱۰۹۸ھ / ۱۶۷۲-۱۶۸۷ء

ابوالحسن خاندان قطب شاہی کا آخری حکمران تھا۔ شاعر تھا۔ اس کے عہد میں بھی اُردو زبان کو فروغ ہوا۔

اس کے دربار کے ایک شاعر غلام علی نے ملک جائسی کی ہندی نظم ''پدماوت'' کا اُردو ترجمہ کیا۔

Marfat.com

سُلطان ٹیپو ٹیپو

۱۷۸۲ - ۱۷۹۹ عیسوی

سلطان ٹیپو بقول بورنگ ہر قسم کے علوم و فنون میں مہارت رکھتا تھا۔ ٹیپو کو علم سے بڑی محبت تھی اور وہ ارباب فضل و کمال کا قدر دان تھا

ٹیپو نے ۱۷۸۵ء میں سرنگا پٹم میں "جمیع الامور" کے نام سے ایک یونیورسٹی قائم کی تھی، جہاں علم و فن کی جمنا گنگا بہتی تھی یہ دار العلوم تعلیم کا مرکز اور مخزن تھا۔ اس میں علوم و فنون صنعت و حرفت کی تعلیم کے علاوہ فوجی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔ سلطان نے ایک معمل (LABORATORY) بھی قائم کیا تھا۔

ٹیپو کو تصنیف و تالیف کا بھی شوق تھا۔ اس کے حکم اور فرمائش سے بہت سی کتابیں لکھی گئیں۔ سلطان نے اپنے اہتمام خاص سے اپنی نگرانی میں ایک کتاب قلمبند کرائی تھی جس کا نام تحفۃ المجاہدین" یا "فتح المجاہدین" تھا۔ ٹیپو نے "مؤید المجاہدین" کے نام سے خطبات جمع کئے تھے۔

ٹیپو کے علمی ذوق کا پتہ اس کے کتب خانے سے بھی چلتا ہے جس میں اس نے ہزارہا کتابیں فراہم کی تھیں۔ اس کتب خانہ میں عربی، فارسی، تلنگی، کنٹری اور اردو کتابیں تھیں۔

Marfat.com

میجر سٹوارٹ نے ٹیپو کے کتب خانہ کے مخطوطات کی ایک فہرست مرتب کی جو ۱۸۰۹ء میں کیمبرج میں چھپ کر شائع ہوئی میجر موصوف لکھتا ہے :-

"کتب خانہ کی ترتیب و تہذیب کے لئے ایک مہتمم مقرر تھا۔ سلطان کو تصنیف و تالیف کا بھی شوق تھا۔ سلطان کے حکم اور فرمائش سے بہت سی کتابیں لکھی گئیں۔ یہ کتابیں زیادہ تر فوجی اور دیوانی معاملات سے متعلق ہیں۔ سلطان نے اپنے فرامین کے کئی مجموعے تیار کرائے تھے جو اس وقت بھی یورپ کے کتب خانوں میں موجود ہیں۔ سلطان جو کتاب مطالعہ کر چکتا تھا اس پر مہر لگا دیتا تھا اس طرح اکثر کتابوں میں مہریں ثبت تھیں۔"

انڈیا آفس لائبریری میں ٹیپو سلطان کے کتب خانے کی کتابوں کا ذکر کرتے ہوئے میجر اسٹوارٹ لکھتا ہے :-

"یہ کتب خانہ عربی، فارسی اور ہندی کی تقریباً دو ہزار کتابوں پر مشتمل ہے۔ اسلامی لٹریچر کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جس کے متعلق اس کتب خانے میں کتابیں موجود نہ ہوں۔ اس کتب خانے میں خود ٹیپو سلطان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ایک ڈائری بھی موجود ہے۔"

Marfat.com

شاہانِ اودھ

لکھنؤ کا سایۂ اقبال اگرچہ دیرپا نہ تھا تاہم جب تک بھی رہا بڑے بڑے ارباب فن اور اصحاب کمال کا مرجع رہا۔ حکومت کے بڑے بڑے عہدوں پر علماء ہی سرفراز تھے۔ بادشاہ اودھ کی طرف سے لندن میں ایک سفیر رہتا تھا۔ یہ بھی گروہ علماء ہی سے منتخب ہوتا تھا۔

نصیر الدین حیدر کے عہد میں مولوی عبد الرب کمال الدین حیدر، اور مفتی اسمٰعیل بن وجیہہ مراد آبادی نہایت مشہور ماہر فن تھے۔ ۱۲۴۷ھ میں نصیر الدین حیدر کا عہد اور مہدی علی خاں کی وزارت تھی کہ لکھنؤ میں ایک رصد خانہ کے قیام کا خواب دیکھا گیا۔ ہربرٹ نام کا ایک انگریز عالم سولہ سو ماہوار پر اس کا مہتمم قرار دیا گیا۔ رصد خانہ ابھی زیر تعمیر تھا کہ ہربرٹ کا انتقال ہو گیا۔ جب محمد علی شاہ کا زمانہ آیا تو نئے سرے سے اس کام کا خیال آیا۔ بادشاہ نے بھی اس غرض کے لئے بڑی فیاضی سے روپیہ دیا۔ چار لاکھ روپیہ صرف اس کی عمارت پر صرف ہوا۔ رصد خانہ کا اہتمام کرنل ولکاکس کے متعلق تھے۔ کل ۲۹ لاکھ رصد خانہ پر صرف ہوا تھا۔ ۱۸۴۹ء میں واجد علی شاہ کے زمانہ میں ولکاکس کا انتقال ہو گیا۔ رصد خانہ صرف اس کے دم سے زندہ تھا۔ ایک بہت بڑا کتب خانہ اس رصد گاہ میں موجود تھا۔ وہ سب اٹھ کر علی نقی خاں کے محل میں جو ان دنوں وزارت کرتے تھے، چلا آیا۔ (معارف بابت فروری ۱۹۱۷ء)

Marfat.com

شاہانِ اودھ نے لکھنؤ میں جدید مغربی علوم و فنون کی بعض کتابوں کے ترجمے کرائے، جو مطبع سلطانی میں چھپ کر شائع ہوئے۔ سید کمال الدین حیدر لکھنوی نے جدید علوم پر انیس رسالوں کا ترجمہ انگریزی سے اُردو میں کیا۔ ان میں سے بعض کتابوں کے نام حسب ذیل ہیں:۔

(۱) رسالۂ ہیئت مصنفہ ڈاکٹر ولسن
(۲) رسالہ دیگر ہیئت مصنفہ ڈاکٹر برنگلی
(۳) رسالۂ علوم طبیعہ (فزکس)
(۴) رسالۂ قوت مقناطیس
(۵) رسالۂ علم الکیمیا
(۶) رسالۂ علم المناظر
(۷) رسالۂ علم الما ء
(۸) رسالۂ علم الہوا
(۹) رسالۂ علم الحرارۃ
(۱۰) رسالۂ مقاصد العلوم مصنفہ لارڈ بردم

آخر الذکر کتاب یعنی رسالۂ مقاصد العلوم لارڈ بردم کی انگریزی کتاب کا ترجمہ ہے۔ یہ رسالہ ۱۲۶۱ھ میں مطبع سلطانی میں طبع ہوا۔ اس میں مختلف علوم کے فوائد اور ان کے مقاصد اور موضوعوں کی تشریح کی گئی ہے۔ کتاب کے شروع میں مترجم نے اپنے مقاصد میں لکھا ہے۔

"حسب الحکم ابو الفتح معین الدین سلطان الزماں نوشیرواں عادل محمد علی شاہ بادشاہ غازی حسب فرمائش محکمۂ اجلاس جنرل کامٹی (کمیٹی) اسکول بک سوسائٹی کے عاصی سراپا معاصی سید کمال الدین حیدر عرف محمد امیر الحسن الحسینی نے زبان اُردو میں ترجمہ کیا۔"[۱]

۱؎ قیصر التواریخ بحوالہ معارف بابت فروری ۱۹۱۷ء۔

آصفیہ خاندان نظام حیدرآباد

ہندوستان کی سب سے بڑی ریاست کا فرماں روا خاندان جس کے مورث اعلیٰ نواب نظام الملک آصف جاہ بہادر ہیں۔

نظام علی خاں اور سکندر جاہ کا عہد حکومت باوجود سیاسی اختلال کے علمی اور ادبی ترقیوں کے لئے خاص امتیاز رکھتا ہے۔ اس عہد میں تاریخ نگاری کو خاص طور پر ترقی ہوئی۔ لالہ لچھمی نارائن، شفیق، منعم خاں ہمدانی مصنف سوانح دکن، شاہ تجلی علی مصنف آصف نامہ۔ وزیر میر عالم مصنف حدیقۃ العالم۔ منشی قادر خاں بیدری مصنف تاریخ دکن۔ غلام حسین خاں جوہر مصنف مادنامہ محمد فیض اللہ منشی مصنف خزانہ گوہر شاہوار اسی عہد کے ممتاز مورخ ہیں۔ اُردو شعراء میں مرزا علی لطف مصنف گلشن ہند، میر قمرالدین مست مصنف شکرستان شاہ کمال الدین کمال مصنف مجمع الانتخاب کو دربار سے خاص تعلق تھا۔[1]

۱۲۴۷ھ میں نظام الملک میر فرخندہ علی خاں فتح جنگ

---

[1] قاموس الاعلام۔

Marfat.com

فرماں روائے حیدرآباد تھے۔ اس زمانہ میں حیدرآباد میں نواب محمد فخرالدین خاں المخاطب بہ شمس الامرا ایک نہایت ذی علم امیر تھے۔

شمس الامراء کی علم دوستی نے بہت سے ماہرین فن کو ان کے سایۂ دامن میں جمع کر دیا تھا۔[1]

میر محبوب علی کے عہد میں جدید تعلیم کا رواج ہوا۔

میر عثمان علی خاں نے عثمانیہ یونیورسٹی کو قائم کر کے زبان اردو کو ذریعۂ تعلیم بنایا۔ اور ہندوستان میں پہلی بار اردو میں بی، اے، ایم۔ اے کی ڈگریاں دی گئیں۔ نصابِ تعلیم کے تدوین و ترجمہ کے لئے ۱۳۳۵ھ میں دارالترجمہ قائم کیا۔ تعلیم کے لئے ۱۳۳۶ھ میں یونیورسٹی کالج کا افتتاح عمل میں آیا۔

ہندوستان کے آزاد ہونے کے قبل تک میر عثمان علی خاں کا دورِ حکومت علم و معارف کی ترقی و ترویج کے لحاظ سے تاریخ دکن میں عہدِ زرّیں کا درجہ رکھتا ہے۔

---

[1] مغربی تصانیف کے اردو تراجم

Marfat.com